خداداد قوتون اور عالم خارج کی تمام چیزون کا صحیح اور برجا استعمال کرے، اسی مین انسان کی فلاح اور بہبود ہے؛ اس کتاب مین اس مسئلہ کو پوری تشریح کے ساتھ سمجھایا گیا ہے اور عقیدۂ کفارہ کے غلط نتائج دکھائے گئے ہین، چھوٹی تقطیع کے ساڑھے ۴۹۵ صفحات کا مجموعہ ہے، کتاب اس قابل ہے کہ لوگ اس کو پڑھین۔

پتہ: منیجر مسلم بک سوسائٹی۔ عزیز منزل، لاہور

دوشیزہ۔ سردار موہن سنگھ صاحب دیوانہ نے حال مین دوشیزہ نام سے اپنے کلام کی پہلی قسط شائع کی ہے، یہ میری شاعری، بھگوت گیتا، بلبل بے قرار ہند، وغیرہ عنوانون کے ماتحت ۱۹ نظمون کا مجموعہ ہے، بعض نظمون کا انداز اچھوتا ہے ممکن ہے کہ قدامت پسندون کو یہ نظمین بقول جناب حسرت "عجیب و غریب معلوم ہون" لیکن "سردار صاحب کا یہ کارنامۂ نظم بہرحال کامیاب کہلانے کا مستحق ہے" قیمت عہ پتہ: گوتم برادرس اینڈ کمپنی اے بی روڈ، کانپور۔

غذاے روح۔ شریمد بھگوت گیتا کے متعدد ترجمے منظوم اور منثور چھپ چکے ہین، لیکن اُن مین صفائی اور روانی نہ تھی، حال مین پنڈت پربھودیال مصر عاشق لکھنوی نے ایک منظوم ترجمہ شایع کیا ہے، اسکی زبان بہت حد تک صاف اور روان ہے، لیکن خالص اصطلاحی اور مذہبی الفاظ کو یہ بھی نہین چھوڑ سکتے تھے، اس لیے پھر بھی زبان نامانوس سی ہے، اسکا احساس خود مترجم کو بھی ہے لیکن وہ اسکے لیے مجبور تھے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۱۵ صفحات، ابتدا کے ۳۶ صفحات مین ایک مختصر مقدمہ ہے جسمین مہابھارت کا خلاصۂ قصہ اور ترجمہ کی خصوصیات کا ذکر ہے، افسوس ہے کہ بعض بعض جگہ مطبع کی اصلاح نے مترجم کا خون کر دیا ہے اور شعر وزن سے بے وزن ہوگیا ہے۔

قیمت عہ پتہ: بکڈپو منشی نولکشور پریس، لکھنؤ

مجلد ہژدہم | ماہ جمادی الاوّل ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء | عدد ششم

مضامین

اطلاع

اس ششماہی جلد ۱۸ کی مفصل فہرست آئندہ مہینہ کے رسالہ کے ساتھ شایع کیجائیگی، جو اصحاب رسائل کی جلد بندھواتے ہین اوس کا انتظار کرین،

"منیجر"

شذرات

گذشتہ ماہ کا اہم تعلیمی واقعہ مسلم یونیورسٹی علیگڈہ کا جلسۂ تقسیمِ اسناد ہے، اس جلسہ کی اہمیت متعدد وجوہ سے قابلِ ذکر ہے، ہرہائنس سرکارِ عالیہ بھوپال متع اللہ المسلمین بطول بقاہا کی تشریف آوری، ہز ہائنس نواب افتخار الملک سکندر صولت فرمانروائے بھوپال کی مسند نشینی کے بعد یونیورسٹی مین پہلی آمد، سائنس کالج کے سنگِ بنیاد کی رسم، ہز ہائنس فرمانروائے بھوپال کا اسکے لئے تین لاکھ کا شاہانہ عطیہ، ان کامیابیون پر مسلم یونیورسٹی کے کارکن اصحاب تہنیت اور مبارکباد کے مستحق ہین،

ہرہائنس کے صادقانہ اور پرجوش خطبے جو جلسۂ عطائے اسناد اور نصر اللہ خان ہوسٹل کے افتتاح کے موقع پر پڑھے وہ ان تمام محاسن سے لبریز ہین جنکی ایک حقیقی دیندار، روشنضمیر روشنخیال اور باخبر مسلمان سے توقع کیجاسکتی تھی، اگر درحقیقت مسلم یونیورسٹی کی روح وہی ہو جسکی سرکارِ عالیہ نے تمنا اور آرزو کی ہے، تو مسلمانون کا یہ دار العلوم یقیناً ان کی تجدیدِ دنشات کا گہوارہ بنجائے،

مسلم یونیورسٹی مین شعبۂ علومِ دینیہ کی جو حیثیت ہے وہ کسی باخبر سے مخفی نہین، اس شعبہ کی ترقی کا جب ذکر آتا ہے تو پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ علومِ مشرقیہ کی تجویز کے وقت کا سر سید مرحوم کا دلایا ہوا خوف فوراً اس کے کارکنون کے دلون پر چھا جاتا ہے، کہ مبادا یہ فرسودہ علوم جدید تعلیم کی طرف سے مسلمانون کو غافل نہ کردین، حالانکہ اب یہ حال ہو چکا ہے کہ اگر آپ وظائف کی طمع دلا کر ہمت نہ بڑھائین، تو یونیورسٹی کا کوئی طالب علم بھی "ان بوسیدہ علوم کے مردہ ڈھانچہ کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ کرے، لیکن ابھی تک خوف وہی مستولی ہے،

اس لئے ہرہائنس نے تقسیمِ اسناد کی تقریر مین بجا طور پر کارکنون کو شعبۂ علومِ دینیہ سے غفلت پر تنبیہ فرمائی،

"اس موقع پر مین اپنے اس افسوس کو ظاہر کئے بغیر نہین رہ سکتی کہ جداگانہ قومی یونیورسٹی کا جو مقصد اولین تھا وہ مؤخر ہوتا جاتا ہے، یعنی اس کے شعبۂ علومِ اسلامیہ، دینیات، اور اسلامی تاریخ مین کوئی ترقی نہین ہوئی، اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ کوئی خاص کوشش بھی اسکی ترقی کے لیے عمل مین نہین آئی، آج مین کسی قدر صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتی ہون کہ اگر اس شعبہ پر فوری توجہ نہ کی گئی تو اسکے یہی معنی ہون گے کہ ہمارے مقدم جانشینون نے جو وعدے قوم سے کئے تھے ہم ان کے ایفا کے لئے تیار نہین ہین، اس کے علاوہ مجھے تعلیمِ دینیات مین اخلاق اور اسلامی تاریخ و سیر کی کمی اور بے توجہی پر بھی توجہ دلانی ہے"،

ہرہائنس نے اس پر افسوس کیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی مین "آغازِ اسلام" کے ابتدائی رسالہ کے سوا عہدِ رسالت اور خلافت راشدہ کی تاریخ نہین پڑھائی جاتی لیکن جہان تک ہمین معلوم ہے، اس عہد کی تاریخ کو اسلیے نظرانداز کیا گیا ہے تاکہ مسلم یونیورسٹی کے مشترکہ اسلامی ہال مین جنگِ جمل اور جنگِ صفین دوبارہ نہ چھڑ جائے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اس عہد کی تاریخ پر تقدس کا رنگ ہے جس کے چھونے کی ہمارے نئے اساتذہ ہمت نہین کرتے اور آخری اس عہدِ اقدس کے متعلق "محققینِ یورپ" نے اپنی دانست مین جو تنقیدی تاریخین لکھی ہین ان کی اگر کورانہ تقلید کیجائے تو پھر مسلمانون مین مخالفت کا طوفان اٹھ جائے، اور اگر ان کی تنقیدی تاریخون کی تنقید کیجائے تو اس کیلئے احادیث و سیر کی اصلی واقفیت کی حاجت ہے، اور یورپ کے معیاری "اساتذہ تاریخ" مین یہ جوہر گرانمایہ کمیاب اور اس سے زیادہ اس عہدِ مقدس کے ساتھ وہ عقیدت، دلآویزی اور تعلقِ خاطر کمیاب بلکہ نایاب ہے جس کے بغیر اس عہد کی تاریخ کو ہاتھ لگانا، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے بیسود ہے،

اسی سلسلہ میں سرکار عالیہ نے اسکی بھی تاکید کی کہ درس مین قرآن مجید کا ترجمہ بھی باقاعدہ پڑھایا جائے، اور فرمایا کہ

"ہم کو اسلامی تاریخ کے متعلق نہ صرف تعلیم ہی کا انتظام کرنا ہے بلکہ مستقل طور پر تحقیقات جدیدہ کے انتظام کی ضرورت ہے اور مین متمنی ہون کہ جس طرح کالج کے دور اول نے شبلی جیسا زبردست مورخ پیدا کیا اسی طرح اسکی یونیورسٹی کا دور اولین متعدد شبلی پیدا کرے،،

مگر شاید سرکار عالیہ کو یاد نہین رہا کہ شبلی سا مورخ کالج نے پیدا نہین کیا تھا، بلکہ انھین مدرسون نے پیدا کیا تھا جنھون نے سرسید، وقار الملک، محسن الملک، حالی اور نذیر احمد کو پیدا کیا،

ہر ہائنس نے نصر اللہ خان ہوسٹل کے افتتاح کے موقعہ پر سب سے پہلے اس طبقہ کو یاد کیا جسکو اس موقع پر کمتر یاد رکھا جاتا ہے اور فرمایا کہ یہ قوم کے غریب افراد کے لئے مین نے بنوایا ہے، اور اس کے بعد فرمایا:-

"مین اس رقبۂ علمی مین ایسی عمارتین دیکھنے کی متمنی ہون جو جمہور مسلمانون کی اکائیون اور دہائیون سے تعمیر ہون، کیونکہ قومی تعمیر در اصل غریبون کی مدد سے ہوتی ہے، اور اسی سے قوم کی زندگی اور روح کا اندازہ ہوتا ہے، اسلیے اس وقت ہمین ان کو فراموش نہین کرنا چاہیئے"

ہر ہائنس نے نہایت موثر لہجہ مین مسلم یونیورسٹی کے متعلق اپنی دلی تمنا کا اظہار ان الفاظ مین فرمایا،

"حضرات! ہماری قوم نے انتہائی جد وجہد کے بعد یہ یونیورسٹی قائم کی ہے، اور اسکو مسلم یونیورسٹی کے مبارک نام سے موسوم کیا ہے، تو قدرتی طور پر ہم اس دار العلوم مین "مسلم" کی نسبت سے جو برکت حاصل ہونی چاہیئے اس کے آرزومند ہوتے ہین . . . . پس اس نسبت سے ہم اس کے طلبہ کو ارکان اسلام کا پابند اور اسلام کی ترقی مین سرگرم کوشش دیکھنا چاہتے ہین، بلا شبہہ یہ ایک رنجیدہ بات ہوگی کہ اس دار العلوم اسلامی کے مسلمان دنیوی کاروبار مین اس قدر منہمک ہو جائین کہ نہ تو

ان کو اپنے ہادی برحق کی پیروی اور نہ ارکان اسلام کی پابندی کا خیال رہے،

امسال پٹنہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید سلطان احمد صاحب مسلم یونیورسٹی کے کانووکیشن کے خطیب منتخب ہوئے تھے، سید صاحب نے اس موقع پر جو نہایت سنجیدہ اور پر معلومات خطبہ دیا، اس کا خاص نقطۂ بحث یہ تھا کہ طلبہ کو دماغی تربیت کیساتھ ساتھ جسمانی اور اخلاقی تربیت بھی ضرور دیجائے، اور ہندوستانی یونیورسٹیون مین اسکی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے، خیر جسمانی ترقیون کی تو کچھ کھیل کود سے تلافی ہو جاتی ہے، مگر جسکا اصلی رونا ہے وہ یہ ہے کہ ان درسگاہون مین اخلاق کی بنا اور تربیت کی طرف ایک ادنی سی توجہ بھی نہین کیجاتی، اگر یہ سرکاری درسگاہین مذاہب اور اقوام کے اختلاف کے باعث غیر مذہبی تعلیم اختیار کرنے پر مجبور ہین، تو کم از کم دنیاوی اخلاق و سیرت یعنی کیرکٹر کی بنا و تربیت ہی کی طرف توجہ کیجاتی، لیکن جب ہندوستان ہی کو بے کیرکٹر کے افراد کا مجموعہ بنانا منظور ہو تو تعلیم کے انتظام سے پہلے سیاست کے بیرونی دباؤ کو کم کرنا ضرور ہے،

مقرر نے ثانوی تعلیم کے لئے دیسی زبانون مین تعلیم کی حمایت کی، مگر اعلیٰ تعلیم مین دیسی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کو خودکشی کا مرادف بتایا، بہر حال جس حد تک دیسی زبان مین تعلیم پر سب متفق ہون اسی کا تجربہ کر لیا جائے تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ آیندہ کی اعلیٰ تعلیم دیسی زبان مین خودکشی ہے، یا آب حیات ہے، مردہ اور زندہ قومون کی مثالین سب آنکھون کے سامنے ہین، اگر عرب اپنی ترقی کے عہد مین یونانی کو ذریعۂ تعلیم بناتے، اور یورپ کی قومین اپنی زبانون کو چھوڑ کر لاطینی مین تعلیم دیتین، اور جاپان انگریزی کے ذریعہ اپنے ملک مین اعلیٰ تعلیم کا رواج دیتا تو کیا نتائج وہی ہوتے جو ہم آج دیکھ رہے ہین، غیر زبان مین، غیر ماحول مین، غیر اصطلاحات مین جو تعلیم دیجائے گی وہ بھی غیر ہی ہوگی، اپنی نہین ہو سکتی،

کہا جاتا ہے کہ روزافزون علمی ترقی جو یورپ مین زبانون مین برابر جاری ہے، اگر دیسی زبان مین تعلیم دیجئی تو
طلبہ اس سے محروم رہین گے، اس کے متعدد جواب ہین، روزافزون علمی ترقی کے لحاظ سے کیا انگریزی فرنچ اور
جرمن کی برابری کرسکتی ہے، اور اگر نہین کرسکتی تو کیا اکسفورڈ اور کیمبرج کی زبان فرنچ اور جرمن کردیجاسکتی ہے
دوسرے یہ کہ ہندوستان مین تعلیم کا جو نصاب جاری ہے اس مین ہر سال کی روزافزون علمی ترقی کا کتنا حصہ
شامل ہوا کرتا ہے، آرٹ کا شعبہ یون ہی جامد سا ہے، سائنس جو روزافزون ترقی پر ہے، ہندوستان مین اسکی
تعلیم بھی غیر متحرک ہے، تیسرے یہ کہ اعتراضات تو جب ہوتے کہ طلبہ ثانوی زبان کے لحاظ سے تمام تر انگریزی
سے محروم رکھے جاتے، مگر یہ تو کوئی بھی نہین کہتا، تمام یورپ کی زبانون کی باوجود اس ترقی کے یکسان حالت
نہین، کسی شاخ مین انگریزی کو برتری ہے کسی مین فرنچ کو کسی مین جرمنی کو، اسلیے برابر ایک زبان کی
چیزین دوسری مین منتقل ہوتی رہتی ہین، اردو کے لیے بھی یہ کوئی عار کی بات نہین، کیا اردو، ترکی اور
عربی کا بھی مقابلہ نہین کرسکتی، دارالفنون قسطنطنیہ اور جامعہ مصریہ قاہرہ تو ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم اپنی زبانون مین دے رہے ہین

خبر آئی ہے کہ میسور مین ۸۰۰ ہندو، پارسی اور مسلمان خواتین، ایک مسلمان خاتون کے زیر علم جمع
ہوئین اور یہ تجویز منظور کی کہ چونکہ ہندوستان مین جو پردہ رائج ہے وہ رسم و رواج پر مبنی ہے اور اس سے
مسلمان عورتون کی مادی اور اخلاقی ترقی مین رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور ان کی صحت اسکی پابندی سے
رفتہ رفتہ خراب ہوتی جاتی ہے، اس لئے احکام شرع سے اپیل کیجاتی ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق
پردہ کے متعلق فیصلہ کن اعلان فرمائین" اسکے مقابلہ مین احکام شرع کی طرف سے بلا نیابت یہ عرض
خدمت ہے کہ کیا ہماری شریعت کی فرمانبردار نہین، دیگر رسوم و رواج کے متعلق بھی جو ہماری اقتصادی
حالت کو روز بروز تباہ کررہے ہین، اسی طرح ہمارے شرعی فیصلہ سننے کی منتظر ہین، نیز کیا وہ مسلمان
بہنین جو رسمی پردہ کو توڑ کر شرعی پردہ کے حدود سے بھی آگے نکل گئی ہین، وہ شرعی پردہ پر قناعت

کرنے کو تیار ہین؟ اور بالآخر کیا اسکی ضمانت دیجاسکتی ہے کہ یہ رسمی پردہ سے نکل کر شرعی پردہ مین آنے والیان
"یورپین پردہ" کا آگے چل کر مطالبہ کرینگی، اے کاش ہماری میسور کی مسلمان بہنون کا یہ جذبہ درحقیقت
احکام شرع کی پابندی اور تعمیل پر مبنی ہوتا اور دوسری قومون کی تقلید اور ریس کی خفیہ خواہش کا زہر
اس مین شامل نہ ہوتا،

ڈاکٹر کیتکر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے چیف اڈیٹر صاحب نے بالآخر معارف (اکتوبر ۲۶ء) کے نصف
مشورہ کو قبول کرلیا، اور اخبارات مین یہ اعلان کیا ہے کہ قابل اعتراض مضمون کے صفحے انسائیکلوپیڈیا
کے ان نسخون سے جو دفتر مین موجود ہین، الگ کردیئے اور جن خریدارون کے پتے معلوم ہین ان کو اطلاع
دیدی گئی ہے کہ وہ بھی ان کو اپنے نسخون سے نکال دین، یہ بالکل صحیح طرز عمل ہے، مگر بیچ مین چند صفحون
کا خالی رہنا بھی موزون نہین، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب دوسرا نصف مشورہ بھی قبول فرمالین
یعنی کسی مسلمان فاضل کے مشورہ سے وہ چند صفحے کا محمد رسول اللہ صلعم پر دوسرا مضمون چھاپ کر اس مین
لگا دین، دکن مین پروفیسر عبدالقادر (الفنسٹن کالج) اور پروفیسر نواب علی (بڑودہ کالج) اس کام
کو بہترین طریقہ سے کردین گے، اور وہ تمام مسلمانون کے شکریہ کے مستحق ہونگے،

رسالہ النجم لکھنؤ

یہ مذہبی رسالہ مدت سے جاری ہے، یہ خاص اہل سنت کا رسالہ ہے اور انھین کی امداد کا محتاج ہے، مولنا عبدالشکور
صاحب اس کے اڈیٹر ہین، اپنے رنگ مین یہ لاجواب ہے، دین الٰہی سے اگر محبت ہے تو ضروری ہے کہ دین کے سب سے پہلے
خادم سب سے پہلے معلم و مبلغ یعنی صحابۂ کرام سے محبت ہو، اور ناممکن ہے کہ ان حضرات پر ناروا اتہامات لگائے جائین اور ان کے
جواب مین خاموشی اختیار کیجائے، النجم تمام مسلمانون کی طرف سے اس فرض کفایہ کو ادا کررہا ہے، اسکی بقا کا سامان کرنا سب پر فرض ہے،
قیمت للعہ سالانہ، مہینہ مین دو بار شائع ہوتا ہے، پتہ:- دفتر النجم لکھنؤ،

مقالات

حجاز کے کتب خانے

(۳)

یہ اس مضمون کا تیسرا نمبر ہے، شاید ناظرین محض کتابون کے نامون کو دیکھ دیکھکر گھبرا گئے ہون، مگر انھین معلوم ہونا چاہیئے کہ اون کے بزرگون کا یہی اندوختہ ہے جو ان کے علمی کارنامون کی یادگار ہے، یورپ کے علمائے مستشرقین کی نگاہون مین، اون کی یہ قیمت ہے کہ وہ اس کا ایک ایک ورق سونے کے تول سے خریدتے ہین، اور ہمارے اسلاف نے بھی ان سفینون کو اپنے سینون سے لگا کر رکھا تھا، اور اب انھین کے اخلاف کو یہ بھی خبر نہین کہ یہ جواہر ریزے اب کہان کہان بکھرے ہین، اور ضرورت ہو تو کہان سے دستیاب ہو سکتے ہین، اسی مضمون مین کتابون کے نامون کی تفصیل سے یہی مقصود ہے کہ ہمارے علماء اور شائقینِ علم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہماری مقدس سرزمین کے خزانہ مین کیا کیا نایاب گوہر ہین،

شیخ الاسلام کتب خانہ کے بعد دوسرا قابلِ ذکر کتب خانہ، کتبخانۂ محمودیہ ہے، سلطان محمود عثمانی نے اپنے زمانۂ حکومت مین جو کارنامے انجام دیئے ان مین ایک قابلِ ذکر کارنامہ مدرسۂ محمودیہ ہے، یہ مدرسہ مسجد نبویؐ کے متصل باب السلام کے راستہ مین داہنی طرف واقع ہے، یہ مسجدِ مبارک سے اس قدر ملا ہوا ہے کہ اس کے اوپر کے کمرون کی کھڑکیان مسجد کے صحن مین کھلتی ہین، ان کمرون مین بیٹھیے تو مسجد کا صحن بالکل نگاہ کے سامنے ہوجاتا ہے، اسکی دیوار اس سمت مین جس پر "خوخۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ" (یعنی حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے مسجد نبوی مین آنے کا دروازہ جسکی نسبت آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت مین فرمایا تھا کہ "ابوبکر کی کھڑکی کے علاوہ سب کھڑکیون کو بند کر دو") مسجد نبوی ہی کی آخری دیوار ہوگئی ہے،

مدرسہ کے صدر دروازہ کے اوپر اب تک سپید پتھر مین کھدا ہوا یہ کتبہ لگا ہے،

"مدرسۃ خلیلیۃ لحضرت سلطان محمود"

سلطان محمود نے اس کے لیے شام مین جائداد وقف کی تھی جسکی آمدنی سالانہ حج کے موقع پر شامی محمل کیساتھ اخیر اخیر تک آیا کرتی تھی، مگر اس بڑی جنگ کے بعد جب سے فرانس نے شام پر قبضہ کیا ہے، دوسرے اوقاف کیساتھ یہ وقف بھی فرنچ دست برد مین ہے، مدرسہ بالکل ویران ہے، دو منزلہ عمارت تھی، طلبہ کے رہنے کے الگ کمرے تھے درس کے الگ، مگر اب ایک طرف کی چھت گرگئی ہے، درس و تدریس کا سلسلہ بند ہے، اس کے موجودہ متولی زین العابدین قندیلی ہین، قندیلی کے معنی یہ ہین کہ ان کا خاندان مسجد نبوی کی قندیلون کی نگرانی اور روشنی کا مہتمم تھا، اس مدرسہ کے پھاٹک مین نے ہمیشہ بند پائے، قندیلی صاحب سے جب مین نے اوس کے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا، تو دوسرے دن اس کا وقت مقرر کیا، اندر گیا تو دیکھا کہ اس پر ایک ویرانی سی چھائی ہے، متولی صاحب نے اندر چند حاجیون کو غالبًا کرایہ پر جگہ دے رکھی ہے، اوپر کی منزل مین مسجدِ مبارک کی سمت کے کمرہ مین کتبخانہ تھا، کتبخانہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ شاید مدت سے یہان کسی کا گذر بھی نہین ہوا ہے، تمام گرد پڑی تھی، دیوارون سے لگی ہوئی الماریان، اور الماریون مین بہ ترتیب کتابین رکھی ہوئی تھین،

ترکی نے جنگ عظیم مین مدینہ منورہ کے جن کتب خانون کو وہان سے شام منتقل کر دیا تھا، ان مین سے ایک یہ بھی تھا، وہان یہ کتابین قشلہ سلیمیہ مین رکھی گئی تھین، ترکون نے جب شام خالی کیا تو نادر کتابین چنکر قسطنطنیہ منتقل کر دین، اور بقیہ کتابین وہین پڑی رہین، اسی اثنا مین وہان نہر مین سیلاب آیا جس سے کتابون کو نقصان پہنچا، ملک مین جب تسلط ہوا، اور شریف علی مدینہ کے امیر مقرر ہوئے تو متولیون نے ان سے کہہ سنکر کتابین واپس منگوائین، اسی طرح اس کتب خانہ کی کتابین واپس آئین جنمین ایک صندوق ایسا ہے

جنکی کتابین سیلاب کے پانی سے اس طرح برباد ہوئی ہین کہ ورق سے ورق الگ نہین ہوسکتا،

اس وقت اس کتب خانہ مین پانچ ہزار کے قریب کتابین ہین، جو الماریون مین ترتیب سے فن وار رکھی ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ کتب خانہ کو کسی واقف کار نے ترتیب نہین دیا ہے، اسلیے کہین کی کتابین کہین رکھ گئی ہین، بعض کتابین تو تلاش کرنے پر ملین بھی نہین، قلمی کتابون کے ساتھ مطبوعہ کتابین بھی یہان ہین کتابون کی فہرست بھی ہے، جو کتابین قسطنطنیہ چلی گئی ہین، ان پر حرف "غ" یعنی غائب کا اشارہ بنادیا گیا ہے،

بہرحال یہ تو ظاہری حالت کا نقشہ ہے، کتابون کو جب مین ہاتھ لگایا تو خوشی سے اچھل پڑا کہ حدیث و تفسیر کا اتنا نایاب ذخیرہ اب تک میری نگاہون نے نہین دیکھا تھا، بہت سی کتابین جنکو صرف ایک نظر دیکھنے کی تمنا تھی، وہ یہان آج پوری ہوگئی، حسرت رہی کہ بہت سی کتابین جنکا ایک ہی نسخہ یہان تھا وہان قسطنطنیہ چلاگیا، یا اگر دو نسخے تھے، تو کامل چلاگیا، اور ناقص یہان رہ گیا، کاش ترک اتنا ایثار کرتے کہ ان کتابون کو مرکز اسلام پر دوبارہ جمع کردیتے، کہ تمام دنیائے اسلام اُن سے متمتع ہوسکتی،

آج پہلا دن تھا کہ میری آنکھون نے دلائل النبوۃ امام بیہقی، معرفۃ اصول الحدیث امام حاکم، شرح سنن ابی داؤد لابن رسلان، شرح بخاری للکرمانی، شرح بخاری لابن بطال، تمہید شرح موطا لابن عبد البر، البیان لاحکام القرآن للموزعی الیمنی، زاد المسیر فی علم التفسیر لابن جوزی، تفسیر ابن ابی حاتم، نزہۃ الحکم شرح صحیح مسلم وغیرہ کتابین دیکھین اور خدا کا شکر ادا کیا،

ذیل مین ہم کتب خانہ محمودیہ کی نادر قلمی کتابون کی منتخب فہرست درج کرتے ہین، ان مین دو چار مطبوعہ کتابون کے نام بھی ہین، مگر ان کی ندرت اور کمیابی کی وجہ سے ذکر کردی ہین،

۱- تفسیر

۱- تفسیر خطیب شربینی ۶ جلد

۲- تفسیر امام عمر نسفی ۴ ؍

۳- تفسیر ابی الحسن البکری الصوفی،

۴- تفسیر قرطبی

۵- تفسیر البیان لاحکام القرآن لجمال الدین محمد بن علی بن الخطیب المعروف بابن نور الدین الموزعی الیمنی، ۸۲۵ھ مین تالیف ہوئی،

۶- تفسیر البقاعی ۵ جلد

۷- زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی،

۸- تفسیر ابن کثیر (چھپ چکی ہے)

۹- ابن حبان (چھپ چکی ہے)

۱۰- تفسیر الوسیط للواحدی النیساپوری،

۱۱- کشف البیان للامام الثعلبی، ۹ جلد

۱۲- تفسیر احکام القرآن للرازی الحنفی (چھپ گئی)

۱۳- تفسیر ابن ابی حاتم، تیسری جلد

۱۴- تفسیر المنتہی من البیان فی اعراب القرآن، لابن یعیش النحوی، اجزء اول،

۱۵- تفسیر معنی القرآن لعلی الطبری،

۱۶- تفسیر الثمرات فی احکام القرآن کامل

۱۷- تفسیر بکر بن سہیل الدمیاطی بسندہ...

۱۸- تفسیر ابن جریر طبری (چھپ چکی ہے)

۱۹- جواہر الدرر فی التفسیر بالخبر والاثر،

۲۰- ذکر آیات القرآن المتشابہات زکریا الانصاری

۲۱- تفسیر التبیان فی اعراب القرآن للعکبری

۲- متعلقات تفسیر

۲۲- البرہان فی علوم القرآن، للزرکشی،

۲۳- تفسیر مشکل القرآن،

۲۴- بدیع القرآن للشیخ زکی الدین ابن ابی اصبع

۲۵- نواسخ القرآن لابن الجوزی،

۲۶- غرر البیان فی مبہمات القرآن،

۲۷- اعراب القرآن العظیم

۲۸- تاویل مشکل القرآن،

۲۹- غریب القرآن للمرزوقی،

۳۰- التبیان فی آداب حملۃ القرآن للنووی،

۳۱- طیبۃ النشر بقراء العشر لابن الجوزی،

۳- احادیث

۳۲- شرح بخاری للکرمانی،

۳۳- التکملۃ شرح ترمذی للعراقی وھو تکملۃ

۳۴- حیات المہج علی سنن الترمذی،

۳۵- شرح ترمذی للبغوی جزء ثانی،

۳۶- سنن کبیر للبیہقی،

۳۷- مختصر سنن کبیر للبیہقی بخط تلمیذ مصنف،

۳۸- شرح صحیح بخاری لابن بطال،

۳۹- شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض،

۴۰- نزہۃ الحکم وبہجۃ المنعم شرح صحیح مسلم،

۴۱- المطالب العالیہ لزوائد المسانید الثمانیہ للعسقلانی

۴۲- مسند ابی بکر بن ابی شیبہ،

۴۳- تخریج احادیث الشفا لعبد العزیز الزبیدی

۴۴- شرح الشفا للدلجی،

۴۵- معتمد ذوی العقول من جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن بہرلہ،

۴۶- مجمع الزوائد لنور الدین الہیثمی ۵ جلد

۴۷- تمہید شرح موطا لابن عبد البر،

۴۸- تنویر الحوالک شرح موطا مالک للسیوطی

۴۹- فتح الرحمان شرح موطا امام محمد،

۵۰- مصنف ابن ابی شیبہ، ۲ جلدیں

۵۱- الافصاح عن معانی الصحاح لابی ہبیرہ

۵۲- مستدرک حاکم ۲ جلد چھپ چکی،

۵۳- التانی من تلخیص المستدرک للذہبی،

۵۴- دلائل النبوۃ للبیہقی،

۵۵- الاستذکار لابن عبد البر،

۵۶- کتاب العمدۃ للامام القشیری،

۵۷- عمدۃ الاحکام للمقدسی،

۵۸- [illegible]

۵۹- کتاب التقییدات

۶۰- مختصر امتاع الامۃ باحادیث اتفق علی تخریجہا الائمۃ [illegible]

۶۱- معجم ابن عساکر،

۶۲- کتاب الاباطیل والمناکر والصحاح والمشاہیر،

۶۳- بدر التمام من احادیث سید الانام،

۶۴- الناسخ والمنسوخ من الحدیث،

۶۵- جواہر اللآلی لابی المعالی مع نزہۃ الحافظ فی ذکر الحفاظ [illegible]

۶۶- تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف،

۶۷- موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان

۶۸- الغریب المصنف لابی عبید،

۶۹- تنقیح المفہوم فی الحدیث

۷۰- دلائل النبوۃ لابی نعیم چھپی ہے مگر جا بجا ناقص ہے،

۷۱- التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح لبدر الدین الزرکشی

۷۲- کتاب الام امام شافعی (چھپ چکی ہے)

۷۳- موضوعات ابن جوزی،

۷۴- جزء من اطراف المزی،

۷۵- شرح سنن ابی داؤد لابن رسلان،

۴- اصول حدیث ورجال،

۷۶- معرفۃ اصول الحدیث للحاکم،

۷۷- کتاب النسبۃ الی المواضع والبلدان لجمال الدین

۷۸- تہذیب الاسماء واللغات نووی،

۷۹- مختصر اسماء الضعفاء والواضعین لابن الجوزی

۸۰- الاکتساب من کتب الانساب مختصر السمعانی،

۸۱- مغانی الاخیار فی اسامی رجال معانی الآثار للعینی

۸۲- الانساب للسمعانی (عکسی چھپی ہے)،

۸۳- تہذیب الکمال للمزی جلد ۱ و ۳ و ۴ و ۵ [illegible]

۸۴- اسماء رجال مسند احمد

۸۵- ثقات ابن حبان،

۸۶- لب اللباب فی تحریر الانساب للعکبری [illegible]

۸۷- المؤتلف والمختلف للدارقطنی،

۸۸- کشف النقاب عمن جرح لہ فی الصحیحین [illegible]

۵- تاریخ وسیر،

۸۹- عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر

۹۰- سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد ۱- ۳ و ۵ [illegible]

۹۱- الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ للعسقلانی ۳ جلد،

۹۲- کتاب الہدی لابن القیم (شاید زاد المعاد ہو)

۹۳- السیرۃ لابن ہشام (چھپی مگر پھر بھی نادر ہے)

۹۴- تاریخ مدینہ للسخاوی، جزء ثالث،

۹۵- تاریخ الخطیب جزء ۳۳

۹۶- تاریخ مکہ للازرقی (چھپی ہے)

۹۷- العسجد المسبوک والجوہر المحکوک فی تاریخ دولۃ الاسلام والملوک

۹۸- تاریخ مدینۃ السلام جزء اول،

۹۹- انساب الاشراف جزء،

۱۰۰- طبقات وسطیٰ للسبکی (کبریٰ چھپی ہے)

۱۰۱- تلقیح لابن الجوزی،

۱۰۲- طبقات المفسرین للامام شمس الدین الداؤدی

۱۰۳- مختصر الطبقات،

۱۰۴- طبقات ابن سعد کی ۲ جلد اور ایک ٹکڑا (چھپی مگر پھر بھی نادر ہے)

۱۰۵- طبقات الحنابلہ جزء ۴،

۱۰۶- اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار للکفوی،

۱۰۷- الکتاب الاعلام فیما یجب للامام مع فتح النبی علیہ السلام [illegible]

کتب خانہ سیدنا عثمان رض

یہ کتب خانہ حضرت عثمان ذی النورین رض کے نام نامی کے ساتھ اسلئے منسوب ہے کہ یہ آپ کے مسکن مبارک میں قائم ہے، مسجد نبوی میں باب جبرئیل ع کے نام سے جو دروازہ ہے، ادھر سے نکلئے تو قبلہ کی سمت "دیار عشرہ"

نمبر ۹ کا جو کتبہ لگا ہوا ہے، اسی کے مقابل کے ایک مکان پر "مشہد سیدنا عثمان" یعنی حضرت عثمانؓ کی شہادتگاہ مرقوم ہے، اور یہ معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے گھر ہی کے بالاخانہ مین شہید کئے گئے تھے، اس بنا پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا تھا، جسکی ایک حد مسجد نبوی کی سمت وہ مقام تھا، جو آپ کا مشہد ہے، اور دوسری طرف گلی مین دور تک چلا گیا ہے، اور جو اب کئی گھرون کی صورت مین بٹ گیا ہے، جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف زمانون مین مختلف مالکون کے قبضہ اور تصرف مین رہا ہے،

امیر چوپان نے ایک زمانہ مین اس کا ایک حصہ لیکر مسافرخانہ بنا دیا تھا جس کا نام رباط العجم ہے، اسی کے ایک بازو مین کہا جاتا ہے کہ سلطان نورالدین شہید کا مزار ہے جس کا دروازہ آجکل بند کر دیا گیا ہے، سلطان عبدالحمید خان اول نے اس مکان کا باقی حصہ خرید کر وقف کر دیا تھا، اس مکان کے دروازہ پر سلطان کے نام کا کتبہ لگا ہے، دوسرے کتبہ مین والدۂ سلطانی کا تذکرہ ہے، کتبہ کے اشعار ترکی مین ہین، اسلئے پوری طرح مطلب سمجھ مین نہین آیا، یہ مکان بھی اندر سے بے مرمت پڑا ہے، اس وقت بخاری حجاج یہان ٹھہرے ہوئے تھے، میرے جانے کی خبر متولی صاحب کو پہلے معلوم ہو چکی تھی، ابراہیم حمدی بے خربوطلی نے ان کو مطلع کر دیا تھا، اسلئے کتب خانہ کے سامنے جھاڑو دیکر چھڑکاؤ کر دیا گیا تھا، کتب خانہ مکان کی چھت پر ایک کمرہ مین تھا، کتب خانہ کا دروازہ جب کھولا گیا تو اس کے اندر اس قدر گرد تھی کہ ہم بیٹھ نہین سکتے تھے، برادر عزیز ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ندوی بی ایس سی اس وقت ہمارے ساتھ تھے اور کتابون کی تلاش مین مدد دے رہے تھے، تمام کتابین کچھ الماریون مین، کچھ زمین پر، کچھ طاقون مین اس طرح بے ترتیب پڑی تھین اور اس طرح گرد آلود تھین کہ اہل شہر کی ناقدری اور متولی کی غفلت پر افسوس آتا تھا،

کتابون کی کوئی فہرست بھی نہ تھی، بہزار دقت ایک ایک کتاب کو اٹھا اٹھا کر اور جھاڑ جھاڑ کر دیکھنا شروع کیا، یہ دیکھکر کس قدر تعجب ہوا کہ اس کتب خانہ کا نہایت قدیم تعلق اندلس، مراکش، اور دیار مغرب کے مختلف شہرون سے ثابت ہوا، اکثر نسخے وہین کے تھے، اور انہین اطراف کے مصنفین کے تھے، چونکہ وہان مالکی مذہب کا رواج تھا اور ہے، اسلئے مالکی مذہب کی کتابین بیشتر تھین، قرآن پاک کے اکثر نسخے مغربی خط مین تھے جو کوفی خط کے قریب قریب ہے، سب سے زیادہ جس منظر کو دیکھکر دل

پاش پاش ہوا، وہ ایک الماری کے نیچے ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے قرآن کے متعدد نسخون کے منتشر اوراق تھے، ہندوستان کے کسی کتب خانہ مین اگر اس قرآن کا ایک ورق بھی ہوتا تو کتابون کے شائق دور دور سے اس کو دیکھنے کو آتے،

ان کتابون مین جو مجھکو نادر معلوم ہوئین وہ حسب ذیل ہین:-

۱- الاستذکار شرح موطا مالک لابن عبدالبر،
۲- المنتقی شرح موطا مالک للباجی،
۳- المسالک علی موطا مالک للشیخ ادریس القابسی،
۴- شرح بخاری للکرمانی،
۵- التنقیح علی الجامع الصحیح للزرکشی،
۶- مسند القضاعی فی الحدیث
۷- سنن کبری للبیہقی، ناقص،
۸- معجم کبیر للطبرانی،
۹- تفسیر ثعالبی،
۱۰- کتاب الوقف والابتداء لابن الغربی،
۱۱- کتاب الناسخ والمنسوخ،
۱۲- الاکتفاء فی السیرۃ للکلاعی،
۱۳- تاریخ فتوح مصر لابن عبدالحکیم
۱۴- مشارع الاشواق الی مصارع العشاق لابن النحاس
۱۵- اجابۃ الداعی الی شرح غریب الاکتفاء للکلاعی
۱۶- جزء من تبصرۃ اللخمی فی الفقہ،
۱۷- کتاب الکافی لابن عبدالبر،
۱۸- شرح ابن حاجب علی الزوادی فی الفقہ،
۱۹- شرح مدونۂ امام مالک لابی الحسن الصغیر،
۲۰- شرح تلقیح للقاضی ابی محمد بن عبدالوہاب البغدادی،
۲۱- بہجۃ النفوس لابن ابی جمرۃ،

گیارہوین کتاب کتاب الناسخ والمنسوخ ایک خاص حیثیت سے نہایت قابل قدر ہے، مصنف کا نام نہین معلوم، انہون نے لکھا ہے کہ مینے یہ کتاب تفسیر کی ۹۰ کتابون سے لیکر جمع کی ہے، ساتھ ہی اسکا سال تصنیف ۸۰۰ھ ہے، اور یہ اس جزیرہ مین بیٹھکر لکھی گئی ہے جسکے نام کو ہر مشرقی حاجی نہایت درد اور مصیبت کیساتھ لیتا ہے یعنی جزیرۂ کمران (کامران) کیا یہ جزیرہ کبھی اسلامی علوم کا مرکز بھی رہا ہے؟ اب تو یہان چند ہزار بدوی یمنی، و حبشی عربون کے سوا اور کچھ نہین، مصنف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ جزیرہ اس وقت یمن کا حصہ ہے،

فسبحان مقلب الایام واللیالی،

تنقیدِ مستدرک پر ایک نظر

از مولانا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن

(۲)

اختلاف مستدرک و تلخیص کے موقع پر

(۱۴) ایک جگہ پر فرماتے ہین،

"ص (۱۳) تلخیص مین اذا مس رفعہ ہے، حالانکہ مستدرک مین اذا مس ذکرہ ہے"

کیا ان دونون نسخون مین سے کوئی غلط ہے، یا جب اس قسم کے صرف لفظی اختلافات ہون تو حاشیہ دینا ضروری ہے، تلخیص مین رفعہ اور مستدرک مین ذکرہ کا ہونا ہی اس بات پر دال ہو کہ دونون مین اختلاف ہے،

(۲) ایک جگہ فرماتے ہین :-

"ص (۷ و ۱۵) مستدرک مین ہے "قال سمعت محمد بن اسحاق" تلخیص مین عن اسحاق ہے، بتانا چاہیے کہ تلخیص سے ابن کا لفظ چھوٹ گیا"

افسوس ہے کہ ناقد کو طباعت اور اصل کتاب کی غلطیون مین فرق نہ ہو سکا، ابن کے لفظ کا چھوٹ جانا یہ طباعت کی غلطی سے ہے، کتاب مین یقیناً یہ لفظ ہوگا؛

(۳) اختلافِ نسخ کے عنوان سے لکھتے ہین :-

"دائرہ کے کارکنون نے اختلافِ نسخ دکھانے کے لیے صرف مستدرک کے پیش نظر نسخون پر بس کیا، یہ نسخے یقیناً کہین کہین سے ناقص تھے، ان کے نقص کی شہادت لآلی مصنوعہ وغیرہ کی کتابون کی حدیثین ہین، جن کو ان کے مصنفین نے مستدرک کے حوالہ سے لکھا ہے مگر وہ مستدرک کے مطبوعہ نسخہ مین نہین ملتین"

(الف) یہ دعویٰ غلط ہے کہ کارکنانِ دائرۃ المعارف نے صرف مستدرک کے پیش نظر نسخون پر بس کیا ہے، بلکہ انھون نے حتی الوسع حدیث، رجال اور تاریخ کی دوسری کتابون سے بھی مدد لی ہے، لیکن اندرون متن مین کوئی ضمنی احتیاط نہین کیا، مثلاً جلد ۴ صفحہ ۵۴۴ نفخ الصور والی حدیث مین مستدرک مین ہے "فلا یسمعہ احد الاصغی" اس پر حاشیہ دیکر بتایا گیا ہو "فی حدیث کنز العمال اصغی لیتا و رفع لیتا" اس کے علاوہ ترمذی، دارقطنی، مسند ابن حنبل، اسد الغابہ، استیعاب، طبقات ابن سعد، اور سیرت ابن ہشام کے بھی حوالے ملتے ہین،

(ب) یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے، کہ جن حدیثون کو مستدرک کی روایت سے دیگر محدثین نے لیا ہے، ان کا پتہ خود مستدرک کے نسخہ مین نہین ملتا ہے۔

اس تمہید کے بعد کے بعد ناقد نے لآلی مصنوعہ اور مستدرک کے اختلافات کی ایک طویل فہرست درج کی ہے، اس حد تک یہ امر قابلِ قبول ہے، کہ جہان تک ممکن ہو سکے دوسری کتابون مین حدیثین تلاش کیجائین اور جو مقامات قابلِ اصلاح ہون اُن کو تحقیق کے بعد درست کر دیا جائے، لیکن اگر کتابون مین صرف الفاظ کا فرق ہو اور اپنی اپنی جگہ پر دونون صحیح ہون، تو اسکی کیا ضرورت ہے، کہ تمام اختلافات لفظی کو دوسری کتابون سے درج کر دیا جائے، محدثین جب کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہین تو اس سے ان کا مقصود یہ نہین ہوتا، کہ دونون عبارتین لفظ بلفظ مطابق ہین، بلکہ صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ اسی راوی سے اس مضمون کی حدیث کو فلان محدث نے لیا ہے، مطابقت لفظی شرط نہین ہوتی،

امام بیہقی اکثر رواہ البخاری و مسلم فرماتے ہین، لیکن دونون کے الفاظ مین فرق ہوتا ہے، مثلاً حضرت انسؓ کی یہ حدیث کہ حضرت ام سلیمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینۂ مبارک شیشہ کے ظرف مین تبرکاً رکھ لیا، اس کے متعلق امام بیہقی رواہ مسلم فرماتے ہین، حالانکہ مسلم نے فضائلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مین اس مضمون کو دوسرے الفاظ سے ادا کیا ہے، اس کو اختلاف نہین کہہ سکتے، اور نہ یہ حوالہ غلط کہا جا سکتا ہے،

اسی طرح امام سیوطی نے لآلی مصنوعہ مین مستدرک کا حوالہ دیا ہے، اس کے معنی یہ نہین ہو سکتے کہ

لفظ بلفظ دونوں مطابق ہوں، کیونکہ محدثین اکثر روایت بالمعنی کرتے ہیں، پس لآلی مصنوعہ کا مستدرک سے مختلف ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ ناقد نے طویل فہرست اختلافات کی دی ہے، ان میں بعض مقامات پر لآلی کا مطبوعہ نسخہ غلط ہے، مثلاً

لآلی	مستدرک
حدثنا عبد العزیز بن صعادیہ	حدثنا علی بن عبد العزیز بن معاویہ

دیکھو تذکرۃ الحفاظ جلد ۲، ذیل علی بن احمد السنجری علی بن عبد العزیز سے روایت کرتے ہیں،

لآلی	مستدرک
ابراھیم بن الحسین بن زیدیل عن علی بن قتیبة	ابراھیم بن الحسین بن دیزیل عن علی بن قتیبة

زیدیل عن علی ہی کے لفظ پر غور فرماتے کہ یہ لفظ صحیح ہے یا غلط ہے، تو اس اختلاف کے ذکر کی ضرورت نہ ہوتی

لآلی	مستدرک
محمد بن کثیر العامری	عبید بن کثیر العامری،

ناقد صاحب کو رجال کی کتابوں کا مطالعہ کا موقعہ نہ تھا تو کم سے کم مستدرک اور تلخیص ہی پر عمیق نظر ڈالتے تو صحیح فیصلہ تک پہنچتے، اس مقام پر تلخیص میں پوری سند موجود ہے، جس میں عبید بن کثیر العامری لکھا ہے، اور عبید مستدرک لکھا ہے، در اصل یہاں پر عبید بن کثیر العامری مراد ہیں، (دیکھو کتاب الضعفاء لابن جوزی)

لآلی	مستدرک
عبد اللہ بن داؤد والخریبی	عبد اللہ بن داؤد الخریبی،

یہاں بھی لآلی کا نسخہ غلط ہے، الخریبی عبد اللہ بن داؤد کی نسبت ہے، عبد اللہ بن داؤد اور خریبی دو شخص نہیں، (دیکھو تقریب)

اسی سلسلہ میں ناقد صاحب حنش عن عکرمۃ کے متعلق حاشیہ میں لکھتے ہیں،

"ابن شاہین، عقیلی، دارقطنی، بیہقی سب نے حنش کی بجائے حسین بن قیس لکھا ہے، قیاس یہ ہے کہ حاکم نے بھی حسین بن قیس ہی لکھا ہوگا، البتہ ترمذی نے حنش سے تخریج کی ہے"،

اصل یہ ہے کہ حسین بن قیس کا لقب حنش ہے، اکثر محدثین نے حسین بن قیس کے نام سے روایت کی ہے اور بعض نے اس کے لقب یعنی حنش سے روایت کی ہے، مستدرک اور تلخیص میں حنش کا ملنا یہ خود ہی دال ہے کہ حاکم نے حنش سے روایت کی ہے، خواہ کسی نے حنش سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو، جب امام ترمذی نے بھی حنش سے روایت کی ہے تو پھر یہ لکھنا کس قدر صحیح ہے کہ قیاس یہ ہے کہ حاکم نے بھی حسین بن قیس ہی لکھا ہوگا اس قیاس کے معنی یہ ہوئے کہ اصل کتاب میں حسین بن قیس تھا اور مصححین نے حنش سے اس کو بدل دیا،

ناقد کا یہ فریضہ تھا کہ وہ اس قسم کے اختلافات کے متعلق صحیح یا غلط ہونے کا نوٹ دیتا تاکہ لوگ غلطی میں مبتلا نہ ہوتے،

مستدرک اور لآلی کے اختلافات میں بعض ایسے بھی ہیں جنہیں مستدرک کی عبارت لآلی سے زیادہ صحیح ہے، مثال کے طور پر حفظ القرآن کی حدیث کے الفاظ ہیں،

لآلی	مستدرک
قول یعقوب	قول اخی یعقوب
حتی تاتی الجمعة	حتی تاتی لیلة الجمعة
فان لم تستطع ففی وسطها فقم فی وسطها.	فان لم تستطع فقم فی وسطها

اس قسم کے اختلافات پر بھی ناقد صاحب کو نوٹ دینا ضروری ہے، بعض مقامات پر طباعت کی غلطیوں کو بھی تصحیح کی غلطی میں شمار کرکے دکھلایا ہے، مثلاً

لآلی	مستدرک
غرثان	عدنان

لآلی	مستدرک
عالبس	قالبس
حدثنی ابی عن ھینا،	حدثنی ابی حدثنی ابی عن ھینا،
فیسلق	فلیق
عودان	عودان

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہین،

بعض مقامات پر مرادف الفاظ کا اختلاف ہے،

لآلی	مستدرک
احب من احببت	احب من شئت
حسین بن قیس	حنش
نظرۃ یحیق فی کل نظرۃ	نظرۃ او مرۃ نفی کل نظرۃ یحیق

بعض مقامات پر چونکہ صفحات غلط ہین؛ اسلیے مقابلہ نہ کیا جاسکا، مثلاً ج ۴ صفحہ ۲۹۲، ممکن ہے کہ یہ صفحات کتابت کی غلطی سے غلط رہ گئے ہون،

(۱۴) بیاضِ متن کے ذیل مین معاذ بن جبل کی حدیث کے متعلق ناقد نے لکھا ہے، "امام احمد نے اسی حدیث کو سفیان تک اسناد پہنچا کر اسی سند سے روایت کیا ہے، اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ بیاض کے موقعہ پر ذیل کی عبارت ہونی چاہیئے:۔

"مایاتی الرجل من امرأۃ غیر انہ لم یجامعہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ"

دوسری کتابون سے بغیر کسی تحقیق کے بیاض کا پر کرنا جس قدر تصحیح کی ذمہ داری کے خلاف ہے، وہ ظاہر ہے، مصحح نے اگر کسی کتاب پر اعتماد کر کے کسی بیاض کو پر کر دیا اور اس کے بعد تفحص و تلاش سے یہ

پتہ چلا کہ اس بیاض کے موقع پر کوئی دوسری عبارت ہے، تو مصحح کی یہ کس قدر فاش غلطی ثابت ہوگی، اس مقام پر ناقد صاحب نے جس عبارت سے بیاض پر کرنے کا مشورہ دیا ہے اس مین اور صحیح بیاض مین الفاظ کا بہت بڑا فرق ہے، امام بیہقی نے بھی معاذ بن جبل کی حدیث حاکم سے روایت کی ہے، اس بنا پر بیہقی کی حدیث سے بیاض پر کرنا دوسرے ائمہ کی کتابون سے زیادہ اوثق ہے،

بیہقی کی عبارت بیاض کے موقعہ کی یہ ہے؛	مسند کی عبارت جس سے بیاض پر کرنے کا مشورہ دیا ہے؛
یصیبہ الرجل من امرأتہ الا و قد اصابہ منہا الا انہ لم یجامعہا،	مایاتی الرجل من امرأتہ غیر انہ لم یجامعہ،

۱۵۔ ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

"صفحہ ۴۰، جلد اول مین متنِ حدیث کی جگہ پر جو بیاض ہے اس کی تعیین خود اس سے پہلے کی عبارتین کر رہی ہین"

اس کے بعد لکھتے ہین:۔

"ص ۴۲ جلد اول کی بیاض کے متعلق بھی صرف متقدم حدیثون کے قیاس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہان "قلیل، فتوضأ بماء البحر" ہونا چاہیئے"

ص ۴۰ کی حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس سے قبل کی حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونون کی اسناد اور متن مین فرق ہے، اس اختلاف کے باوجود ناقد صاحب فرماتے ہین کہ ما قبل کی حدیث سے بیاض پر کیجا سکتی ہے،

حضرت انسؓ کی حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہین،

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یخلع نعلیہ فی الصلاۃ قط الا مرۃ واحدۃ الخ

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے ابتدائی الفاظ یہ ہین،

عن ابن مسعود قال خلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

دونوں کے طرزِ بیان میں بہت بڑا فرق ہے، ایک نفی سے شروع کرتا ہے اور دوسرا اثبات سے، ان دونوں کے اختلاف کے باوجود یہ شورہ کس قدر بیجا ہے، ہم کو ابن مسعود کی روایت دوسری کتابوں میں ابھی نہیں ملی لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت ملی ہے جس کے الفاظ غالباً ابن مسعود کی روایت کے مشابہ ہوں، اس سے کم سے کم یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ اور ابن مسعود کی حدیث میں الفاظ کا کس قدر فرق ہوگا،

حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینا ھو یصلی یوماً خلع نعلیہ فخلع الناس نعالھم فلما انصرف قال لم خلعتم نعالکم قالوا رأیناک خلعت فخلعنا فقال ان جبرئیل اتانی واخبرنی ان بھما قذراً فاذا جاء احدکم المسجد فلینظر نعلیہ فان کان بھما قذر فلیدلکھما بالارض (کنز العمال)

حضرت انسؓ کی حدیث:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یخلع نعلیہ فی الصلاۃ قط الا مرۃ واحدۃ خلع فخلع الناس فقال مالکم قالوا خلعت فخلعنا فقال ان جبرئیل اخبرنی ان فیھما قذراً واذیً (مستدرک)

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث جس میں بیاض ہے،

قال خلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعلہ . . . . -

. . . فقال ان جبرئیل اخبرنی . . . . .

اب کس ذمہ داری پر ابن مسعودؓ کی حدیث میں ما قبل کی حدیث کے الفاظ داخل کر دیئے جائیں صفحہ ۷۴ جلد اول کی بیاض کے متعلق جو قیاس ناقد نے کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ متقدم حدیثوں سے قیاس کر کے قلیل افنتوضأ بماء البحر بڑھا دینا چاہئے تھا، حالانکہ متقدم حدیثوں کی عبارت میں اور اس میں فرق ہے،

ایک جگہ یہ ہے،

"معنا القلیل من الماء فان توضأنا بہ عطشنا افنتوضأ بماء البحر"

دوسری جگہ یہ ہے،

"نتزود شیئاً من الماء فان توضأنا بہ عطشنا"

تیسری جگہ یہ ہے،

"فان اغتسل او توضأ بھذا الماء فلعل احدنا یھلکہ العطش"

اب ان تینوں عبارتوں میں سے کس سے بیاض پُر کیجائے اور ناقد کی عبارت "قلیل افنتوضأ بماء البحر" کی عبارت کس سے ماخوذ ہے،

(۱۶) صفحہ ۵۵ اجلد اوّل کی بیاض کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بھی مسند احمد کی روایت پر موقوف ہے ممکن ہے کہ عدیم بن ساعدہ کی حدیث کے الفاظ جس کو حاکم نے روایت کی ہے، دوسرے ہوں، مسند سے اس بیاض کے متعلق اس وقت حوالہ دینا صحیح تھا جبکہ حاکم کی سند میں احمد بن حنبل ہوتے،

صفحہ ۸۲ جلد اوّل میں کوئی بیاض نہیں ہے،

صفحہ ۸۰ جلد اول میں کوئی بیاض نہیں ہے،

بیاض اسانید کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:-

(۱۷) "ص،، میں ابو معاویہ کے بعد مع صحابی کے نام کے پوری اسناد غائب ہے، حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہاں پر

"الاعمش عن عمرو عن ابی حمزۃ عن زید بن ارقم"

ہونا چاہیئے جیسا کہ تلخیص سے پتہ چلتا ہے، مگر تلخیص میں صرف الاعمش عن عمرو کا نام ہے، ابو حمزہ اور زید بن ارقم کا نام حدیث ما سبق سے بڑھایا گیا ہے، لیکن اس قسم کے قیاس کی طرف حاشیہ میں اشارہ نہیں کیا گیا

اسی حدیث کو امام احمد نے بھی اسی سند سے جلد ۴ صفحہ ۳۶۷ مین روایت کیا ہے، اور ابو معاویہ کے بعد ذیل کی اسناد بیان کی ہے،

"الاعمش عن عمرو بن مرۃ عن طلحۃ مولی قرظۃ عن زید بن ارقم"

طلحہ اور ابو حمزہ دونون ایک ہی شخص کے نام ہین مگر اس موقعہ پر (یعنی مستدرک مین) بجائے لفظ عن ابی حمزہ کے عن طلحہ مولی قرظہ ہی ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ حدیث حاکم نے نہ بطور احتجاج نقل کیا ہے نہ بطور استشہاد بلکہ صرف اس لیے نقل کی ہے تاکہ ثابت ہوجائے کہ حدیث ماسبق مین جن ابو حمزہ کا نام ہے وہ وہی طلحہ بن یزید ہین جن سے امام بخاری احتجاج کرتے ہین"

اس جگہ پھر بھی ناقد سے چند غلطیان ہوگئی ہین،

(الف) مستدرک مین بیاض تھی، اسلیے مصحح نے تلخیص کی متقدم سند کا حوالہ دیدیا ہے، اگر یہ سند تلخیص پر قیاس کرکے بڑھادی جاتی تو یہ بات قابلِ اعتراض ہوتی، کہ قیاس سے سند مین اضافہ کردیا ہے، لیکن جب ایسا نہین ہوا بلکہ حاشیہ مین صرف اشارہ کیا ہے تو اس اعتراض سے کیا فائدہ پہنچا،

(ب) فرماتے ہین کہ اس قسم کے قیاس کی طرف اشارہ نہین کیا حالانکہ حاشیہ مین "ولما یدل علیہ تلخیص" لکھا ہے،

(ج) ناقد صاحب کا یہ دعوی غلط ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو محض ابو حمزہ کے نام طلحہ بن یزید بتانے کے لئے اور بخاری کا اس سے احتجاج ظاہر کرنے کے لیے تخریج کی ہے، کیونکہ اسکی اور حدیثِ ماسبق کی اسناد اور متن مین فرق ہے، اس فرق سے ظاہر ہے کہ حاکم نے اس کو استشہاداً بیان کیا،

پہلی حدیث کو حاکم نے احمد بن جعفر القطیعی عن عبد اللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ سے روایت کیا ہے،

دوسری کو ابو علی الحسین بن علی الحافظ عن ابراہیم بن یوسف بن موسیٰ سے، روایت کیا ہے، پہلی حدیث مین "فسألوہ کم کنتم قال ثمانمائۃ او تسع مائۃ" ہے، دوسری حدیث مین "فقلنا لزید کم کنتم یومئذ قال ما بین الست مائۃ الی التسع مائۃ" ہے، حاکم کا یہ اصول نہ معلوم ناقد نے کہان سے اخذ کیا، کہ طلحہ سے بخاری کا احتجاج

ظاہر کرنے کے لیے اس حدیث کی تخریج کی ہے، بعینہ اسی طریقہ سے جلد اول صفحہ ۴۸ مین حاکم نے ابو صخر کی حدیث کے بعد "فقد احتج مسلم بابی صخر حمید بن زیاد ولم یخرجاہ" لکھا ہے، اس کے بعد ایک دوسری حدیث ہے جس سے ابو صخر سے کوئی تعلق نہین ہے، ناقد کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق حمید بن زیاد کے نام سے حاکم کو مسلم کا احتجاج ظاہر کرنے کے لیے ایک حدیث لانی ضرور تھی،

ناقد صاحب فرماتے ہین:-

(۱۸) "ص ۱۴۳ کے متعلق خود حدیثِ ماسبق بتا رہی ہے کہ اس موقعہ سے "عن ابی ثعلبۃ الخشنی" چھوٹ گیا ہے اور کچھ حصہ متن چھوٹ گیا ہے"

ناقد صاحب کا مقصود یہ ہے کہ ماسبق احادیث سے یہ بیاض پر کردیجائے، حالانکہ متقدم احادیث کے متن مین خود اختلاف ہے، کس حدیث سے بیاض پر کیجائے،

ایک جگہ پر فرماتے ہین:-

(۱۹) "حدیث ما بعد الشیبانی بالکوفہ سے شروع ہوتی ہے، حاکم کے شیوخ دو ہین" حالانکہ حاکم کے شیوخ مین شیبانی کئی ہین، دو تو وہ جنکا خود ناقد نے ذکر کیا ہے، بقیہ یہ ہین،

(۱) ابو احمد محمد بن محمد بن الحسین الشیبانی مستدرک ۲۳۲ جلد ۱

(۲) ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب الشیبانی " ۲۴۱ "

(۳) ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن زکریا الشیبانی تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۴

(۲۰) بیاض حکم کے ذیل مین تحریر فرماتے ہین:-

"صفحہ ۲۳۰ جلد اول کی بیاض مین یقیناً کوئی ایسی عبارت ہونی چاہیئے کہ جس سے ولید بن کثیر کی برات ہو کیونکہ حاکم نے ولید بن کثیر کی حدیث کو شرطِ شیخین پر قرار دیا ہے، حالانکہ ان کو علم ہے کہ بعض ثقات نے ابو اسامہ عن ولید کے بعد محمد بن جعفر بن الزبیر کا نام لیا ہے اور بعض نے محمد بن عباد بن جعفر کا نام لیا ہے"

حاکم کو اس کا بھی خیال ہے کہ شیخین نے اسی اختلاف کے باعث اس حدیث کی تخریج نہ کی چنانچہ فرماتے ہین:۔

"واظنہما لم یخرجاہ لخلاف فیہ علی ابی اسامہ (او) علی الولید بن کثیر"

(الف) حاشیہ مین ناقد صاحب نے حرف "او" بڑھانے کی شدید ضرورت ظاہر کی ہے، حالانکہ اسی حرف "او" کے بڑھانے سے ناقد صاحب کو خود مغالطہ ہوگیا۔ ورنہ وہ ڈیڑھ صفحہ کا اعتراض نہ تحریر فرماتے،

صفحہ ۱۳۲ کی عبارت مستدرک مین اس طرح ہے،

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد احتجا بجميع رواته ولم يخرجاه

واظنهما والله اعلم لم يخرجاه لخلاف فيه على ابي اسامة على الوليد بن كثير

ہر طالب علم جب اس عبارت پر غور کریگا تو وہ علی الولید بن کثیر کو غلط سمجھکر عن الولید بن کثیر پڑھے گا، اور یہ سمجھے گا کہ طباعت کی غلطی سے عن، علی سے بدل گیا ہے، ناقد صاحب بھی غور فرماتے تو "او" بڑھانے کے بجائے عن ہی سے تصحیح فرماتے، حرف عن کے صحیح ہونے کے ثبوت مین نصب الرایہ کی ذیل کی عبارت پیش ہے، نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۵۵۔

رواه الحاكم في مستدركه وقال صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه

واظنه لاختلاف فيه على ابي اسامة عن الوليد بن كثير،

(ب) اسی قیاس پر کہ اس جگہ "او" چھوٹ گیا ہے، دوسرا دعویٰ یہ کیا گیا کہ حاکم کا الزام ابواسامہ اور ولید بن کثیر دونون پر ہے، حاکم نے ابواسامہ کی برأت کی اور ولید کی برأت پر سکوت اختیار کیا۔ اسلیے جو بیاض ہے وہ ولید کی برأت کے متعلق ہے، چنانچہ ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

"غالبًا وہی حصہ عبارت بیاض مین ساقط ہوگیا ہے جو ولید کی برأت کرتا تھا، ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ذیل کی عبارت ہو یا ایسی ہی کوئی دوسری عبارت ہو"

"كليهما وليس الخلاف من وهم الوليد وخطأ ه فانه رواه عن كليهما"

آپ نے خود ہی ابواسامہ اور ولید دونون پر الزام لگایا اور خود ہی ان دونون کی برأت کے طالب ہین، حاکم نے نہ اس کا دعویٰ کیا اور نہ اسکی دلیل پیش کی، اور حاکم ایسا دعویٰ کیون کرتا جب کہ تمام محدثین نے متفقہ طور پر یہ الزام ابواسامہ ہی پر عائد کیا، ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، سبھون نے ابواسامہ ہی پر یہ الزام رکھا کہ انھون نے کبھی محمد بن جعفر بن الزبیر کہا اور کبھی محمد بن عباد بن جعفر سے روایت کی، یہ الزام ولید بن کثیر پر کسی نے عائد نہین کیا،

اس موقعہ پر نصب الرایہ مین یہ عبارت ہے:۔

واختلف على ابي اسامة فروى عنه عن الوليد بن كثير عن محمد بن عباد بن جعفر

وقال مرة عن محمد بن جعفر بن الزبير،

(ج) اب رہا بیاض کا مسئلہ تو بیاض کے ماقبل اور مابعد عبارت یہ ہے:۔

فقد احتج الشيخان جميعا بالوليد بن كثير ومحمد بن عباد بن جعفر . . .

. . . . وانما قرنه ابو اسامة الى محمد بن جعفر ثم حدث

به مرة عن هذا ومرة عن ذاك،

اب اس عبارت سے تھوڑی دیر کے لیے بیاض کا خیال ہٹا دیا جائے تو یہ عبارت معنی کے لحاظ سے زیادہ غلط نہین معلوم ہوتی، اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جگہ پر دو چار لفظ اس قسم کے چھوٹ گئے ہین جنکے نہ ہونے سے مطلب خبط نہین ہوتا،

اس طرح اگر ذاتی قیاسات پر بیاض پر کیجائین تو یہ کس قدر غیر ذمہ دارانہ عمل ہوگا،

ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

(۲۱) "صفحہ ۱۳۷ مین جو بیاض ہے اس مین ذیل یا اسکی مرادف عبارت ہونی چاہیے،

"وقد تابع هشيما في روايته عن عروة بن الزبير . . . . . ."

عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری ؛

مندرجہ بالا عبارت کے قرین قیاس ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث من مس ذکرہ فلیتوضأ کو حاکم نے شرط صحیحین پر قرار دیا ہے، اور یہ دعوی ذیل کی پانچ باتون کے ثبوت پر منحصر ہے،

(۱) ہشام کا عروہ سے اس حدیث کو روایت کرنا مختلف طرق سے ثابت ہو (۲) ہشام عروہ سے اس حدیث کی روایت مین منفرد نہ ہون (۳) عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت ہو، (۴) بسرہ ایک معروف صحابیہ ہین اسلیے عروہ کا تفرد علت موہنہ نہین ہوسکتا، (۵) بسرہ کے علاوہ اور صحابہ سے بھی یہ حدیث مروی ہو،

حاکم نے مستدرک مین یہ پانچون باتین ثابت کی ہین، نمبر ۲ کے علاوہ بقیہ چار باتون کا ثبوت مستدرک مین بوضاحت موجود ہے مگر نمبر ۲ کے موقعہ پر بیاض ہے ؛

اس جگہ پر ناقد صاحب نے ایک بیاض پر کرنے کے لیے جو عبارت پیش کی ہے اسکی دلیل مین امام حاکم کی طرف پانچ دعوون کو منسوب کیا ہے، اس مقام پر عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت کرتے ہوئے حاکم نے صرف یہ لکھا ہے،

فدلنا ذلك على صحة الحديث وثبوته على شرط الشيخين وثبت سماع عروة عن بسرة

اس عبارت سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ثبوت شرط شیخین کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت کر دیا جائے، ناقد کے بقیہ چار دعوون کے متعلق اس کتاب مین کوئی اشارہ نہین ہے، اس کی توثیق نصب الرایہ اور تلخیص الجبیر کی اس عبارت سے ہوتی ہے،

نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱

قال البيهقي وانما لم يخرجاه في الصحيح حديث بسرة بنت صفوان لاختلاف وقع في سماع عروة من بسرة او هو عن عروة عن مروان عن بسرة ولكنهما احتجا بسائر رواته،

تلخیص الجبیر صفحہ ۴۴ مین ہے :-

وصححه الترمذي ونقل عن البخاري انه اصح شئ في هذا الباب ،

اس کے بعد یہ لکھا ہے،

واحتج البخاري بمروان بن الحكم في عدة احاديث فهو على شرط البخاري على كل حال ،

یہ دونون عبارتین یہ بتا رہی ہین کہ شیخین نے صرف سماع عروہ عن بسرہ کے اختلاف کی وجہ سے اس حدیث کی تخریج نہین کی ہے، بقیہ دعوون کے متعلق ناقد صاحب نے کیا ثبوت پیش کیا ؟

دعوی نمبر ۴ :- "بسرہ ایک معروف صحابیہ ہین اسلیے عروہ کا تفرد علت موہنہ نہین ہوسکتا" بالکل غلط ہے، آگے چلکر حاکم نے عروہ کا بسرہ سے غیر منفرد ہونا ثابت کیا ہے، اس مقام پر عبارت یہ ہے؛

وقد روى هذا الحديث عن جماعة من الصحابة والتابعين عن بسرة منهم عبد الله بن عمر بن الخطاب وعبد الله بن عمرو بن العاص ، الخ

اس عبارت کے ہوتے ہوئے ناقد صاحب کا یہ تحریر فرمانا، "عروہ کا تفرد علت موہنہ نہین ہوسکتا" کس قدر صحیح ہے، حاکم عروہ کا تفرد باطل کرتا ہے اور ناقد صاحب اس کا منفرد ہونا علت موہنہ نہین بتاتے، یہ دعاوی حاکم کے نہین بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعاوی ناقد صاحب نے مستدرک کے طرز بیان سے مستنبط کئے ہین، اصل واقعہ یہ ہے، کہ حاکم نے حدیث کے ہر پہلو پر بحث کی ہے، اور جس پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا تھا ان سب کو دفع کیا، لیکن ان کا شرط شیخین سے کوئی تعلق نہین ہے،

اس بیاض کو پر کرنے کے بعد ناقد صاحب فرماتے ہین :-

"چونکہ حاشیہ پر بتایا گیا ہے کہ یہان سطر کی بیاض ہے، اسلیے ہم نے بھی چند نامون کی جگہین چھوڑ دی ہین ؛"

پس جس سبب کی بنا پر ناقد صاحب نے نام چھوڑ دیے ہین اسی سبب سے مصححین نے بھی بیاض کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا ہے، آپ نے تحزم کے لفظ سے ان کا پورا نام قیاس سے بڑھا دیا، انھون نے کتاب کو علی اصلہ رہنے دیا،

(۲۴) اس کے بعد لکھتے ہین :-

"ص ۱۴۶ مین جو بیاض ہے عبارت مابعد کے قیاس پر اور شیخین کی طرف رجوع کر کے بتایا جاسکتا تھا" بیاض کے بعد حسب ذیل عبارت ہے،

عن ابی ھریرۃ فی ھذا الباب ولم یخرجا لفظ الفرض

یہ عبارت صاف بول رہی ہے کہ شیخین پر حاکم کا جو کچھ اعتراض ہے وہ لفظ فرض کی تخریج نہ کرنے پر ورنہ وہ جانتے ہین کہ انھون نے اس مفہوم کی حدیث ضرور تخریج کی ہے، اور ابوہریرہ ہی کے واسطے سے کی ہے، اس بنا پر یقیناً یہان کوئی ایسی عبارت ہوگی جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیخین نے اس حدیث کی تخریج کی جب ہم صحیح مسلم اٹھا کر دیکھتے ہین تو انھون نے اس حدیث کی تخریج سفیان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ سے کی ہے، اور امام بخاری نے کتاب الطہارۃ مین اس مفہوم کی کوئی حدیث درج نہین کی ہے، البتہ کتاب الصوم باب السواک مین تعلیقاً حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت درج ہے، اس بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ اس بیاض مین حسب ذیل عبارت ہو:-

"اخرجه البخاری تعلیقاً وقد احتج مسلم بحدیث ابی الزناد عن الاعرج"

ناقد صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہین ہے کہ بخاری نے اس حدیث کو روایتہً نہین لیا ہے، صرف تعلیقاً لیا ہے، حالانکہ کتاب الصلاۃ مین پوری سند کے ساتھ یہ موجود ہے، (بخاری جلد اول ص ۱۲۲ باب السواک یوم الجمعہ)

اب اگر ناقد صاحب کے مشورہ کی تعمیل مین تعلیقاً لکھدیا جائے تو اس غلطی کا ذمہ دار کون ہوگا؟

تعلیقاً کو چھوڑ کر آپ نے جو لکھا ہے، وہ صحیح ہے، اور بیاض مین صرف وقد اخرجاہ اگر لکھدیا جاسکتا تو مناسب ہوتا،

(۲۳) مقدمۂ مستدرک کے متعلق صرف یہ عرض ہے کہ اگر کسی نسخہ مین یہ مقدمہ موجود ہو تو مطلع فرمایئے تاکہ وہ شایع کر دیا جائے، ناقد نے کتاب المدخل کے مقدمہ نہ ہونے کی کوئی دلیل نہین پیش کی حالانکہ خطبۂ کتاب مین حاکم نے یہ لکھا ہے :-

وقد جمعت الذب عنھما فی المدخل الی الصحیح،

امام نودی نے بھی مدخل سے عبارتین اپنے مقدمہ مین نقل کی ہین جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مین شرائطِ شیخین کی مفصل بحث ہے، ہم مدخل کے قلمی نسخہ کا پتہ چلا کر اس کے متعلق تفصیل سے لکھین گے کہ آیا یہ مقدمۂ مستدرک ہے یا نہین،

اس طویل مضمون سے ناظرین کو یہ دھوکا نہ ہونا چاہیئے کہ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ مطبوعہ مستدرک مین کوئی غلطی نہین ہے اور وہ بالکل صحیح طبع ہوئی، حاشا وکلا ہم اس قسم کے غلط دعوے کے مدعی نہین ہو سکتے، ہم نے مستدرک کے خاتمہ مین اپنی فروگذاشتون کی معذرت خود رب العزت سے طلب کی ہے، اور مغفرت کی دعا کی ہے، جو کتابین کافی اہتمام اور انتظام سے طبع ہوتی ہین، ان مین ہر قسم کی غلطیان رہجاتی ہین تو پھر مستدرک پر کیا موقوف ہے،

امرائے اسلام کے حالاتِ حج

از

"طالب العلم مقیم مکہ"

(۳)

شاہ مصر سلطان قایتبائی

مصر کے ملوک چراکسہ مین سلطان قایتبائی سب سے زیادہ ممتاز اور اہل خیر بادشاہ ہوا ہے، حرمین شریفین مین اسکی بیشمار یادگارین ہین، ۸۸۴ھ مین یہ حج کو آیا، امیرِ مکہ نے ایک شخص کو سامانِ ضیافت ساتھ کرکے استقبال کے لیے بھیجا تھا کہ جہان بھی سلطان سے ملاقات ہو وہین دعوت کیجائے، چنانچہ مقام حوراء مین یہ سماط (عربی دسترخوان) لگایا گیا جس مین انواع و اقسام کی مٹھائیان تھین جنکو دیکھ کر سلطان بہت خوش ہوا، خود بھی نوشجان کین اور اپنے امراء و اعیان اور فوج کو بھی تقسیم کین، ینبع پہنچکر سلطان کا ارادہ ہوا کہ پہلے زیارتِ مدینہ منورہ سے مشرف ہوجائے، اسلیے وہان سے مدینہ منورہ روانہ ہوگیا، امیرِ مکہ و قاضیِ جدہ و اعیانِ حجاز استقبال کے لیے آرہے تھے ان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ مقامِ بدر مین جاکر ٹھہر گئے کہ واپسی مین ملاقات کرینگے، سلطان قایتبائی ۲۲ ذیقعدہ (بروز جمعہ) کو مدینہ شریف پہنچا، وہان کے علماء و فقراء و صلحاء کو چھ ہزار اشرفیان تقسیم کین؛ حاجیون سے اور تاجرون سے جو ٹیکس مدینہ کے امراء لیا کرتے تھے وہ موقوف کرائے اور ان کے بدلے امیر المدینہ کے لیے ایک ہزار اردب گندم سالانہ مقرر کئے، بعض دیگر بدعات و منکرات کا بھی ازالہ کیا، تیسرے روز مکہ روانہ ہوا، امیرِ مکہ وغیرہ نے بدر سے آگے بڑھکر استقبال کیا، سلطان بہت مہربانی سے پیش آیا اور ان لوگون کا بہت شکریہ ادا کیا، اور گران بہا خلعت عنایت کئے، اس کے بعد امیرِ مکہ وغیرہ اجازت لیکر سلطان سے پہلے مکہ روانہ ہوگئے

اور وادیِ فاطمہ مین دعوتِ شاہانہ کا انتظام کیا، غرۂ ذی الحجہ کو سلطان بھی وادیِ فاطمہ پہنچگیا اور دعوت کھائی، سپاہیون کو بھی حلاویات (مٹھائیان) تقسیم ہوئین، سلطان نے دعوت کے منتظمین کو بیش بہا خلعت عنایت کئے،

مکہ پہنچکر سلطان نے طواف و سعی سے فارغ ہونے کے بعد پہلے روز تو مقامِ شہدا مین قیام کیا، دوسرے روز اپنے مدرسۂ حرم (متصلہ باب النبیؐ) مین آکر قیام پذیر ہوگیے، اشراف و اعیان و علماء و تجار وغیرہ سب سلام و ملاقات کے لیے آئے، سلطان نے سب کو انعامات عطا کئے، سلطان جب تک مکہ مین رہے شریفِ مکہ کے مہمان رہے، ایک دفعہ قاضیِ مکہ نے بھی دعوت کی تھی، سلطان نے اپنے مدرسہ کے مدرسین و طلبہ کے وظائف مقرر کیے، حرم شریف کے ملازمون اور خلوت ہائے حرم کے مجاورون کے لیے کافی مقدار کا سالانہ تیل و غلہ و زرِ نقد مقرر کیا، اور اس کا وقف نامہ لکھوایا، اس کے علاوہ فقرائے مکہ کو بہت صدقات تقسیم کئے، راتون کو نکلکر خفیہ خیرات بہت کی، فجزاہ اللہ خیراً،

۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے مصر روانہ ہوگیا، امیرِ مکہ و قاضی و اعیانِ شہر مقامِ شہدا تک ساتھ گئے، آگے کا بھی ارادہ تھا، مگر سلطان نے شکریہ ادا کرکے سب کو باصرار رخصت کردیا۔ (اعلام)

شاہِ ایران

۱۰۷۶ھ مین ایک ایرانی بادشاہ حج کو آیا، شریف سعد (امیر مکہ) نے جدہ تک اپنے لوگون کو استقبال کے لیے بھیجا، قاضیِ مکہ نے ایک منزل سے استقبال کیا، اور حرم شریف تک ساتھ گئے، امیرِ مکہ نے تحائف پیش کئے اور اپنے گھر مین مہمان رکھا، بادشاہ نے بھی شریف صاحب کو بیشمار زر و نقرہ و مال و اسباب عنایت کیا (تاج تواریخ البشر)

والیِ رامپور نواب سید غلام محمد خان

یہ انگریزون کے ہاتھ مین قید ہوگئے تھے اور بنارس مین نظربند تھے، چند سال کے بعد حج کا عزم کیا، انگریزون نے اس شرط پر اجازت دی کہ رامپور نہ جائین، نواب صاحب نے اپنے اہل و عیال کو بنارس ہی مین چھوڑا اور خود ۱۶ شعبان ۱۲۰۹ھ کو روانہ کلکتہ

ہو گئے، وہان سے جہاز مین بیٹھکر حج کو گئے، حج سے فارغ ہو کر دکن، احمد نگر، ملتان، کوہاٹ، پشاور ہوتے ہوئے ماہ رجب سنہ ۱۲۲۰ھ مین کابل پہنچے، وہان ان کی بہت عزت و مہمان نوازی ہوئی، ایک عرصہ تک وہان رہے پھر ہندوستان آ گئے (اخبار الصنادید تاریخ رامپور)

امیر نجد سعود بن عبد العزیز — سنہ ۱۲۲۱ھ مین امیر نجد امام سعود بن عبد العزیز نے حج کیا، اس وقت حجاز پر انہین کا قبضہ تھا، شریف غالب، ان کی طرف سے امیر مکہ تھے، شریف موصوف نے ان کا شاندار استقبال کیا اور اپنے ایک عمدہ باغ و محل مین اتارا جس کو آج کل بیاضیہ کہا جاتا ہے، امیر سعود نے مکہ کے غربا و مساکین کو بہت کچھ صدقات و عطیہ جات تقسیم کئے، کعبہ شریف پر عمدہ گیلان کا اونی غلاف چڑھایا، دروازہ کعبہ پر ریشمی پردہ آویزان کیا جس مین چاندی کا کام بنا ہوا تھا، مکہ مین ۱۸ دن مقیم رہے، پھر نجد چلے گئے، (عنوان المجد فی تاریخ نجد) اس سال خطبۂ عرفات ایک نجدی عالم نے پڑھا تھا اور خالی اونٹون پر سب نے حج کیا تھا نقدف وغیرہ موقوف و ممنوع کر دیئے گئے تھے (مرآۃ مکہ)

سنہ ۱۲۲۲ھ مین پھر دوبارہ حج کیا، شریف غالب نے حسب سابق میزبانی کی، امیر سعود نے شریف غالب کو بہت سے تحفے عنایت کئے، شریف صاحب نے بھی تبرکات و ہدایا پیش کئے، امیر سعود نے اس سال بھی کعبہ شریف پر اونی پردہ چڑھایا اور مکہ مین بہت خیر خیرات کی، بازارون مین کچھ آدمی مقرر کئے کہ جب نماز کا وقت ہو تو الصلوۃ، الصلوۃ، پکار کر لوگون کو مسجد بھیجا کرین، ان کے زمانہ مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بھی رواج عام ہو گیا،

سنہ ۱۲۲۵ھ مین تیسرا اور سنہ ۱۲۲۶ھ مین چوتھا حج کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ انکی اور مصریونکی لڑائیان ہو رہی تھین، اور طوسون پاشا ابن محمد علی پاشا خدیو مصر کی فوج شکست کھا کر بھاگ چکی تھی، امیر سعود کے ساتھ نجد و اطراف نجد و تمامہ و یمن کے بیشمار حاجی آئے تھے، مکہ مین اہل نجد نے نہایت آزادی کیساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کیا، بازارون مین محتسب مقرر تھے جسکو خلاف شرع کچھ کام

کرتے دیکھتے اس کو سزا دیتے تھے، امیر سعود نے اس سال بھی کسوۂ کعبہ چڑھایا اور خیر خیرات بھی بہت کی اور شریف غالب امیر مکہ کو عطایائے جزیلہ عنایت کئے، شریف صاحب نے بھی ہدایا و تبرکات پیش کئے، امیر سعود آخر ذی الحجہ تک مکہ مین رہے، اس عرصہ مین مدینہ منورہ کی طرف مصری فوج کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ کر کے خود نجد چلے گئے (عنوان المجد)

خدیو مصر محمد علی پاشا — جب مصری فوج نے نجدیون کو شکست دیکر حجاز سے نکال دیا تو حجاز کے انتظام کے لیے خود خدیو مصر محمد علی پاشا مکہ آئے اور سنہ ۱۲۲۸ھ کے حج مین شریک ہوئے امیر مکہ نے شریف غالب کو قید کر کے مصر بھیجدیا اور ان کے بدلہ شریف یحیی بن سرور کو امیر مکہ مقرر کر گئے اور اپنا بھی ایک گورنر مع فوج کے چھوڑ گئے، ان کی واپسی مصر کے بعد پھر نجدیون نے حجاز پر حملہ کیا، اور مصری فوجون کو پے در پے شکستین دین، لہذا پھر محمد علی پاشا خود آئے اور سنہ ۱۲۲۹ھ کا بھی حج کیا اور اس کے بعد خوب زور شور کی لڑائیان ہوئین اور آخر کار مصریون کو فتح ہوئی (خلاصۃ الکلام)

والیۂ بھوپال نواب سکندر جہان بیگم — سنہ ۱۲۸۰ھ مین والیۂ ریاست بھوپال نواب سکندر جہان بیگم حج کو آئین، ان کی والدہ ماجدہ نواب قدسیہ بیگم بھی ان کے ساتھ تھین اور مدار المہام محمد جمال الدین خان بہادر اور تقریباً ایک ہزار ملازمین بھی ہمرکاب تھے، بھوپال سے ۲۰ جمادی الاول کو روانہ ہو کر ۳۰ رجب کو بمبئی پہنچین اور اسی روز آگبوٹ مین سوار ہو گئین، ملازمین وغیرہ کے لیے ۲ بادبانی جہاز کرایہ پر لیے تھے، ۱۳ شعبان کو جدہ پہنچین، امیر مکہ شریف عبد اللہ اور والی حجاز عزت پاشا کو جب ان کی آمد معلوم ہوئی تو شریف صاحب نے اپنے بھائی کو اور والی نے اپنے فرزند کو استقبال کے لیے جدہ بھیجا ہر ایک کے ساتھ سو سو سوار تھے، خود امیر مکہ بھی شہر کے باہر استقبال کے لیے نکلے، بیگم صاحبہ موصوفہ ۱۸ شعبان کو مکہ مکرمہ پہنچین اور تین روز تک شریف صاحب کے خاص مکان مین مہمان رہین، اس کے بعد دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا، بیگم صاحبہ نے شریف صاحب کو پارچہ جات خلعت وغیرہ ہدایا پیش کئے،

خدام و مساکین کو بھی زرِ نقد اور کپڑے تقسیم کیے، ان کی والدہ قدسیہ بیگم صاحبہ نے بھی مکہ مین بہت داد و دہش اور فیاضی کی، جسکی وجہ سے ان کو جائے قیام سے حرم شریف تک جانا بھی دشوار ہوتا تھا، ان کا ارادہ تھا کہ نہر زبیدہ کی از سرِ نو درستگی کرائین مگر کسی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہوا،

حج کے بعد ۱۴ ذی الحجہ کو جدہ روانہ ہوگئین، اور وہان سے ہندوستان، مدینہ منورہ نہ جا سکین کہ راستہ پر امن نہ تھا، زیارتِ نبوی سے محرومی کا قلق قدسیہ بیگم صاحبہ کو آخر عمر تک رہا، اس سفرِ مبارک مین دونون بیگمون کا کل خرچ تقریباً ۴ لاکھ روپیہ ہوا (تاریخ الحضرادی و بیگمات بھوپال)

والیِ رامپور نواب کلب علی خان سنہ ۱۲۸۵ھ مین نواب کلب علی خان والیِ رامپور حج کو آئے، تھوڑی سی فوج بھی ہمراہ تھی، ۲۳ رمضان کو رامپور سے روانہ ہوئے، ۲۷ کو بمبئی پہنچے، ڈھاکہ نامی اگبوٹ مین جو آمد و رفت کے واسطے ۱۱۰۰۰ روپیہ مین کرایہ پر لیا تھا سوار ہوئے، اواخرِ شوال مین مکہ مکرمہ پہنچے، بڑی دھوم دھام کا استقبال ہوا، قلعہ سے ۱۹ توپین سلامی کی سر ہوئین، امیرِ مکہ و اعیانِ شہر و ارکانِ حکومت استقبال کے لیے باہر نکلے، نواب صاحب پالکی مین سوار تھے، ۲۷ شوال کو زیارتِ روضۂ پاک کے لیے پالکی مین مدینہ روانہ ہوئے، ۱۳ ذیقعدہ کو مدینہ شریف پہنچے اور سید حسین ہاشم رئیس کتاب الحکمۃ الشرعیہ کے گھر مین اترے اور ان کے مہمان رہے، روانگی کے وقت نواب صاحب نے اپنے میزبان کو تین ہزار روپیہ مرحمت فرمائے، شیخ الحرم خالد پاشا کو دو ہزار روپیہ عنایت کئے، پاشائے موصوف نے بھی ایک بیش بہا ہیرے کی ڈبیہ مع دیگر ہدیہ جات کے نواب صاحب کی خدمت مین پیش کی، نواب صاحب نے اہلِ مدینہ پر تقسیم کیے سے ڈیڑھ ہزار گنی مرحمت کی اور یہ فرمایا کہ خدام حرم نبوی کو بقدر تنخواہ ایک ماہ اور باقی لوگون کو حسب حیثیت دیا جائے، نیز خاندانِ مجددیہ کے مہاجرین کو فی نفر ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا،

نواب صاحب نے ایک نثر فارسی مشتمل بر مناجات و نعت قندیلِ حرم کے نام سے لکھی تھی، جب روضۂ مبارک کی اندرونی زیارت سے مشرف ہوئے تو اسے کتب خانۂ خاص کیلئے پیش کش کیا،

۱۱ ذیقعدہ کو مدینہ شریف سے مکہ معظمہ کو براہ ینبع روانہ ہوئے، راستہ مین جو بدو انعام لینے آئے ان کو انعام عطا ہوا، البتہ جن اونٹ والون نے تکلیف دی تھی ان کو کچھ نہ دیا،

ینبع سے اپنے جہاز مین سوار ہو کر جدہ آئے اور جدہ سے روانہ ہو کر یکم ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے اور حج کیا، اس سال جمعہ کا حج ہوا تھا جسکو عوام حج اکبری کہتے ہین، نواب صاحب نے حرمین شریفین مین بہت خیرات کی اور بڑی فیاضی سے کام لیا، شریف صاحب سے لیکر ایک مفلس تک کوئی آپ کے فیض سے محروم نہ رہا، شریف صاحب کو دو ہزار اشرفیان مرحمت کین، حرمین شریفین مین ساٹھ ہزار چار سو بارہ روپیہ اور پانچ ہزار ایک سو انچاس اشرفی اور چار سو چودہ ریال خیرات و انعامات مین صرف ہوئے، مناسکِ حج سے فارغ ہو کر ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے روانگی ہوئی،

۶ محرم سنہ ۱۲۹۰ھ کو رامپور پہنچ گئے، اس سفرِ مبارک کا کل خرچ (۶۲۹۶۶۰) روپیہ اور ۳۰۰۷۲ گنی اور ۲۰۰۰ ریال) ہوا، (تاریخ الحضرادی و اخبار الصنادید)

حاکمِ بحرین سنہ ۱۲۹۶ھ مین شیخ عیسیٰ بن علی آل خلیفہ حاکمِ بحرین نے حج کیا، حج کے بعد زیارت نبوی کا بھی ارادہ تھا مگر ملکی ضرورتون کی وجہ سے یہ شرف نصیب نہ ہو سکا اور بحرین واپس چلے گئے[1] (التحفۃ النبہانیہ)

سلطان المکلہ والشحر سنہ ۱۳۱۰ھ مین عوض بن عمر القعیطی (سلطان المکلہ والشحر) حج کو آئے، مکہ سے مدینہ مصری محمل کے ساتھ گئے، راستہ مین جو غربا و مساکین ملے ان کو سواری عنایت کی، مصری محمل کے امیر وغیرہ کو ہدیہ جات دیئے، شریفِ مکہ اور والیِ مکہ کو بھی بہت کچھ زرِ نقد و ہدایا مرحمت کئے[1]،

شیخ دارین، سنہ ۱۳۲۰ھ مین امیر و شیخ دارین (نجد کا ایک بندر ہے) محمد پاشا عبد الوہاب نے حج کیا،

[1] مرآۃ الحرمین عربی

علما ر وخدام حرم کو ڈیڑھ ہزار اشرفیان تقسیم کین، عام فقرا ر ومساکین کو بھی صدقات وخیرات سے نہال کردیا،

(مجلة المنار)

سلطانِ زنجبار اسی سال (سنہ ۱۳۲۰ھ) سلطانِ زنجبار بھی حج کو آئے تھے، حرم شریف کے خدام کو چھ سو ریال برم عطا کئے (مجلة المنار)

رئیسۂ عالیہ بھوپال نواب سلطان جہان بیگم سنہ ۱۳۲۱ھ مین والئیہ ریاست بھوپال نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ نے حج کیا، دونون صاحبزادگان نواب عبید اللہ خان مرحوم و نواب حمید اللہ خان (والیِ حال) بھی ہمراہ تھے، ماہ شعبان مین جدہ پہنچین اور وہین سے براہ ینبع مدینہ شریف روانہ ہوگئین، ینبع مین سلطانی فوج نے استقبال کیا، توپ خانہ سے شلکِ سلامی سر ہوئی،

ینبع مین ایک ہفتہ آرام کے بعد مدینہ منورہ کو عثمانی گارڈ اور توپ خانہ کی حفاظت مین قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئین، بیگم صاحبہ کی شہرت تمام قبائل مین گونج گئی تھی اور وہ انعام وصول کرنے کی غرض سے ورودِ قافلہ کے منتظر تھے، متعدد مقامات پر انھون نے مزاحمتین کین اور رقومات طلب کین، مگر بیگم صاحبہ نے کسی کو ایک حبہ نہ دیا، سلطانی فوج کو بعض جگہ بدؤن کا مقابلہ کرنا پڑا، بالآخر یہ قافلہ بخیریت مدینہ پہنچگیا، مدینہ مین بھی حکومت عثمانیہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا گیا، تمام ارکانِ حکومت واعیانِ شہر اور سلطانی فوج کا استقبالی دستہ اور بینڈ منتظر ورود تھا، سلامی کی شلک اور نغمۂ خیر مقدم نے ورودِ قافلہ کی خبر دی، تمام لوگ استقبال کیلئے بڑھے، بیگم صاحبہ موصوفہ نے ایک خیمہ مین (جو آپ کے آرام فرمانے کے لیے حکومت کی طرف سے نصب کیا گیا تھا) اعیانِ حکومت وشرفاءِ مدینہ سے ملاقات کی اور ایک تقریر فرمائی جس مین زیارتِ مدینہ کی شرفیابی پر شکر الٰہی ادا کیا، پھر سلطان المعظم کی عنایات، عثمانی فوج کی خدمات اور اہل حجاز کے محبت آمیز جذبات کا شکریہ ادا کیا،

مدینہ منورہ مین ڈھائی ماہ قیام کیا، پھر مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئین، محافظ تر کی فوج کے علاوہ شامی محمل

بھی ساتھ تھا جسکی دھاک بدؤون پر بیٹھی ہوئی تھی، تیسری اور چوتھی منزل پر بدؤون نے سخت مزاحمت کی، آخر کار سلطانی فوج نے مقابلہ کرکے ان کو پسپا کردیا، اس کے بعد کوئی خطرہ پیش نہ آیا، اور ۱۰ ذی الحجہ کو بخیریت مکہ معظمہ پہنچگئین، امیر مکہ (شریف عون) اور والیِ حجاز نے فوجی جمعیت کے ساتھ بیرونِ شہر سے استقبال کیا، داخلۂ شہر کے وقت توپ خانہ سے باضابطہ شلک سلامی سر ہوئی، بیگم صاحبہ کو شریف صاحب نے اپنے ایک مقرب شخص کے مکان مین (جس مین امسال ہندوستان کے وفدِ خلافت اور وفدِ جمعیة العلما ٹھہرائے گئے تھے) اتارا اور سلطانی مہمانی ہوئی، حج کے بعد شریف صاحب نے بیگم صاحبہ سے مکان کا کرایہ ایک ہزار پونڈ طلب کیا، والیِ حجاز (احمد راتب پاشا) کو یہ خبر لگی تو بہت خفا ہوا اور شریف صاحب سے کہا کہ کیا تمکو معلوم نہین کہ یہ سلطانی مہمان ہین اور سلطان جہاں کا حکم ہے کہ ان کی خاطر خواہ خاطر داری کیجائے، شریف صاحب نے جواب دیا کہ مکان پرایا ہے، میرا نہین ہے، ان سے کرایہ لینا نامناسب ہے تو تم ادا کرو، چنانچہ والیِ حجاز نے خزینۂ سلطانیہ سے ایک ہزار پونڈ شریف صاحب کو دیدیئے،

بیگم صاحبہ نے غربا ر ومساکین کو ان کی امیدون سے بہت کم عنایت فرمایا، البتہ شیبی صاحب (کلید بردارِ کعبہ) کو پانچہزار روپیہ (بطور انعام زیارت کعبہ) مرحمت فرمائے،

مکہ مین ۲۰ ذی الحجہ تک رہین پھر آگبوٹ اکبر مین روانۂ ہندوستان ہوگئین (بیگمات بھوپال وتاریخ حضراوی وغیرہ)

والیِ ریاست بہاولپور سنہ ۱۳۲۴ھ مین والیِ بہاولپور (نواب بہاول خان خامس) نے حج ادا کیا، کئی سو آدمی ہمراہ تھے، آمد ورفت کے لیے ایک خاص آگبوٹ کرایہ کرلیا تھا، مکہ مین نواب صاحب نے خیر خیرات بہت کی، اور اعیان واکابر کو عطیہ جات بھی خاصے عنایت کئے، چنانچہ والیِ حجاز کو چھ ہزار روپیہ نقد اور چھ ہزار کا خلعت مرحمت کیا تھا، خلعت تو اونھون نے قبول کرلیا مگر نقدی واپس

کردی، شریف صاحب کو بھی چھ ہزار روپیہ نقد اور اسی قدر کا خلعت فاخرہ عطا کیا تھا انھون نے دونون چیزین قبول کرلین، شیخ زابغ کو بھی چھ ہزار روپیہ کا انعام دیا تھا کہ اس نے مدینہ کے راستہ مین خدمت و حفاظت کا کام بہت اچھی طرح انجام دیا تھا، مدینہ منورہ کے سفر مین تین سو ترک سپاہی اور کچھ بدوی فوج حکومت عثمانیہ نے ساتھ کردی تھی، ان کو بھی نواب صاحب نے انعام واکرام سے سرفراز کیا، شیبی صاحب (کلید بردار کعبہ) کو بھی بطور انعام داخلی کعبہ دس ہزار روپیہ مرحمت کئے، حج سے فارغ ہوکر اپنے وطن واپس ہوئے، مگر افسوس کہ راستہ ہی مین آگبوٹ مین انتقال ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ،

نواب نان پارہ | سنہ ۱۳۲۳ھ مین نواب نان پارہ (راجہ محمد صدیق خان) حج کو آئے، ایک کرور روپیہ اور تین صندوق جواہرات کے اور بیشمار سامان ساتھ تھا، بندر اور شکاری کتے بھی ہمراہ تھے، اول تو راجہ صاحب موصوف خود ہی فضول خرچ اور مخبوط الحواس تھے، دوسرے ان کو کارندے اور معلم بھی نہایت بدمعاش ملے تھے، جسکی وجہ سے ان کا سارا روپیہ برباد گیا، بندرون کے علاج مین ہزارہا روپیہ خرچ ہوئے، خیرات کے نام سے معلم اور کارندون نے لاکھون روپیہ خرچ کرائے، مگر سب ان کی جیب مین گئے، مستحقین کو ایک حبہ بھی نہ ملا،

راجہ صاحب نے اپنے معلم (حسن داؤد) کے ہاتھ شریف صاحب کی خدمت مین پچاس ساٹھ ہزار روپیہ بھجوائے تھے، خود معلم صاحب نے راستہ ہی مین خورد برد کر ڈالے، جب راجہ صاحب شریف صاحب سے ملنے گئے تو اپنے ہدیہ کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ مین اور بھی نذرانہ پیش کرونگا، شریف صاحب اس وقت تو خاموش ہوگئے، مگر حج کے بعد معلم کو قید کردیا اور اس کے گھر کی تلاشی لی، تقریباً بیس ہزار گنیان برآمد ہوئین وہ سب ضبط کرلی گئین، راجہ صاحب نے شریف صاحب کے ہان مسلح غلام اور ہتھیار وغیرہ دیکھکر فرمایا کہ آپ کا مکان بہت محفوظ ہے، لہذا مین اپنا قیمتی اسباب آپ کے پاس امانت رکھوانا چاہتا ہون، انھون نے کہا بہت بہتر، چنانچہ راجہ صاحب نے دس صندوق سربند رکھوا دیئے، حج کے بعد راجہ

صاحب کا یکایک انتقال ہوگیا، اور یہ سب صندوق (سر مہر و سربند) برطانوی وائس کونسل کو باقاعدہ سپرد کردیئے گئے، ان کو جب کھولا گیا تو ان مین سے استعمالی کپڑے، ظروف مسی وغیرہ معمولی اشیاء برآمد ہوئین مشہور یہ ہے کہ ان صندوقون کو کھلوا کر قیمتی اشیاء و زرِ نقد نکال کر یہ چیزین بھر دی گئین، اور وہ تمام جواہرات و زیورات و زرِ نقد وغیرہ اتفاق مثلث (شریف علی امیر مکہ، والیِ حجاز احمد راتب، وائس کونسل برطانیہ ڈاکٹر محمد حسین) مین تقسیم ہوگیا واللہ اعلم بالصواب،

آخری خدیو مصر | سنہ ۱۳۲۷ھ مین آخر خدیو مصر[1] عباس حلمی پاشا ثانی، حج کو آئے، انکی والدہ بھی ہمراہ تھین، ۲۹ ذی القعدہ کو روانہ ہوکر یکم ذی الحجہ کو جدہ پہنچے، جدہ مین امیر مکہ شریف حسین کے دونون صاحبزادون (علی بک و فیصل بک) اور قائم مقام جدہ اور ترکی حکام و اعیانِ شہر نے شاندار استقبال کیا، ۳ کو مکہ پہنچے، والیِ حجاز، امیر مکہ، و دیگر ارکانِ حکومت نے بیرون شہر نکل کر استقبال کیا، خاص دار الامارہ مین اتارا گیا کیونکہ یہ مکان انھین کے جد اعلیٰ (محمد علی پاشا) کا بنوایا ہوا ہے، ۱۴ تک مکہ مین رہے، اس کے بعد جدہ اور وہان سے آگبوٹ مین الوجہ گئے، اور الوجہ سے البدائع، اور وہان سے ریل مین سوار ہوکر مدینہ منورہ پہنچے، محافظ مدینہ اور ارکانِ حکومت و اعیانِ شہر نے شاندار استقبال کیا، خدیو موصوف جب تک مدینہ مین رہے، اکثر اوقات نماز باجماعت ادا کرتے رہے اور صبح و شام روضۂ پاک کی قنادیل روشن کرنے اور گل کرنے کی خدمت بجا لاتے رہے، چند روز مدینہ شریف مین مقیم رہے، اس کے بعد شام چلے گئے اور وہان سے حیفا، حیفا سے اپنے آگبوٹ مین سوار ہوکر مصر پہنچ گئے،

اگرچہ خدیو موصوف نے حرمین شریفین مین زیادہ خیرات نہین کی اور نہ عطیہ جات و ہدیہ جات دیئے، تاہم بہت سے غریب مسافرون کو خرچ سفر دے کر ان کے وطن پہنچوا دیا اور چند آدمیون کے سالانہ یا ماہانہ وظائف بھی مقرر کر گئے، اور مصری لنگر خانہ اور محمل مصری، اور غلاف کعبہ ...

[1] ان کے بعد مصر عثمانی قلمرو سے خارج ہوکر انگریزون کے زیر حمایت ہوگیا، اور اس کے برائے نام فرمانروا "سلطان" کہلانے لگے

کے مصارف مین اضافہ کی منظوری دیگئے، فجزاہ اللہ خیراً،

حکومت عثمانیہ کی طرف سے ہر جگہ ان کا شاندار استقبال ہوتا تھا اور سلامی کی توپین سر ہوتی تھین اور حفاظت کے لیے ایک دستہ ترکی فوج کا ہمرکاب رہتا تھا، لہذا جدہ سے روانگی کے وقت خدیو موصوف نے سلطان المعظم، صدر اعظم، امیر مکہ، والی حجاز کو شکریہ مہمان نوازی کے تار دیئے، ان کے حج کی یادگار چیز ان کا سفرنامہ ہے جو ان کے کاتب خاص محمد لبیب التبنونی نے لکھا ہے (الرحلۃ الحجازیہ)

لطیفہ مؤلف ملوک العرب نے شریف حسین (آخر امرائے مکہ) کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ خدیو موصوف کو حجاز کا عسل مصفیٰ اس قدر پسند آیا تھا کہ وہ کلمۂ شہادت کے بعد یہ کہا کرتے تھے کہ

اشہد ان لا عسل فی العالم مثل عسل الحجاز (ملوک العرب)

سلطان المغرب ۱۳۳۱ھ مین سلطان عبدالحفیظ (ملک المغرب الاقصیٰ) معزول ہونے کے بعد حج کو آئے مکہ مین بہت کم مقیم رہے، حج کرتے ہی مدینہ شریف چلے گئے اور وہان سے بیت المقدس وغیرہ ہوتے ہوئے اپنے وطن واپس ہوگئے، مدینہ شریف سے بہت سی نایاب کتابین بہت اچھی قیمتون پر خرید کرتے گئے، اپنی مطبوعہ کتابین علمائے حرمین کو تقسیم کین، مدینہ شریف مین کچھ خیرات بھی کی،

امیر کویت ۱۳۲۶ھ مین امیر کویت بن صباح حج کو آئے تھے، چونکہ خدیو مصر بھی اس سال آئے ہوئے تھے اور امام مین والا امام نجد کے منددبین بھی آئے تھے اس لیے ترکی حکومت کو یہ شبہہ ہو گیا تھا کہ اس کے خلاف کچھ سازش ہو رہی ہے، لہذا مدینہ مین ترکی فوج بڑھا دی گئی اور جواسیس کے ذریعہ سے ان سب کا مراقبہ رہا، اور یہ شبہہ کچھ غلط نہ تھا، اس کا نتیجہ آخر ۱۳۳۲ھ مین ظاہر ہو گیا،

آخر سلطان عثمانی سلاطین آل عثمان مین سے کسی کو زیارت حرمین کی توفیق نہین ہوئی، سلطان عثمان خان ثانی نے ۱۰۳۱ھ مین حج کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، مگر خانہ جنگیون کی وجہ سے نہ آسکے، خدا کی قدرت کہ یہ بات ان کے آخر السلاطین (سلطان وحیدالدین خان) کو نصیب ہو گئی، معزول و فرار ہونیکے

بعد ۱۳۴۱ھ مین مکہ آئے اور چند ماہ رہ کر یورپ واپس ہو گئے، حج تو نہ کر سکے مگر خیر عمرہ ہو گیا،

طواف، دعا بہت خشوع سے کرتے تھے، ایسی بے سروسامانی کی حالت مین ان سے خیرات و عطیہ جات کی توقع ہی بیجا ہے، البتہ شریفی فوج پر تقسیم کے لیے ایک بڑی رقم دی تھی جو خود شریف صاحب ہی نے قبول کر لی، ان کے ہمراہ ان کے چھوٹے فرزند اور چند خدمت گار تھے، خاص دارالامارہ مین مہمان رکھے گئے تھے، کسی کو ان سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی، مرغ قفس کی طرح رہتے تھے

والی چترال ۱۳۴۲ھ مین والی چترال (شجاع الملک) حج کو آئے، شریف صاحب کی طرف سے بہت اعزاز واکرام ہوا، خاص موٹر جدہ سے مکہ تک کے لیے دی گئی، اور حرم شریف کے قریب ایک مدرسہ مین اتارے گئے، نواب موصوف بہت دیندار و فیاض شخص تھے، مدینہ منورہ مین دوماہ رہے، اس عرصہ مین پچاس ہزار روپیہ خرچ کیے، مکہ مین بھی بہت خیرات کی، حرم مین سبیل جاری کی، منیٰ مین بھی شربت کی سبیل لگائی تھی،

السید السنوسی الکبیر السید احمد الشریف السنوسی، موجودہ اسلامی دنیا کے سب سے ممتاز و قابل قدر و عزت شخص مین، اٹلی کے مقابلہ مین انکا جہاد فی سبیل اللہ کسی سے پوشیدہ نہین ہے، یہ اگرچہ سلاطین مین شمار نہین ہوئے مگر طرابلس غرب مین ان کے اختیارات کسی بڑے سے بڑے مستقل بادشاہ سے کم نہین ہین، اس لیے ہم نے ان کا نام بھی اس مضمون مین شامل کر دیا ہے، موصوف کا عرصہ سے حج کا ارادہ تھا، مگر حجاز پر شریفی قبضہ تھا اور یہ ترکون کے ہمدرد و شریک جہاد تھے، جب حجاز پر ۱۳۴۳ھ مین نجدیون کا قبضہ ہوا تو انھون نے ترکی حکومت کی اجازت سے سفر حج اختیار کیا اور شام پہنچے، وہان سے براہ مصر حجاز آنے کا ارادہ تھا مگر فرانس نے علانیہ اور انگریزون نے خفیہ معارضت کی، لہذا یہ خشکی کے راستہ سے نجد گئے، وہان انکا بہت اعزاز واکرام ہوا، نجد سے سانڈنیون پر مکہ آئے، یہان بھی سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ان کا بہت اعزاز کیا، عرصہ تک اپنا خاص مہمان رکھا،

سید سنوسی نے ۱۳۴۳ھ کا حج کیا اور حج کے بعد چند ماہ تک مکہ مین مقیم رہے، پھر عسیر چلے گئے،
سید صاحب موصوف جب تک مکہ مین رہے، عزلت نشین رہے، رات دن علمی کامون مین مصروف
رہتے تھے، ان سے ملاقات کی عام اجازت تھی مگر اکثر ان سے وہی لوگ ملتے تھے جنکو ان سے ارادت
تھی یا علمی ذوق تھا، سید موصوف کو حدیث و تفسیر کا بہت شوق ہے، مکہ سے کئی قلمی نایاب کتابین
خرید کرے گئے، خود بھی صاحبِ تالیف مفیدہ ہین، ان کے دادا بھی مکہ سے ہزارہا قلمی کتابین لیگئے
تھے جو اب تک طرابلس غرب مین موجود ہین، جنمین جامع رزین العبدری، معجم کبیر طبرانی، سنن کبریٰ
للبیہقی، المحلی لابن حزم، مختصر المحلی، مختصر مسند امام احمد، تفسیر شوکانی وغیرہ نوادرات ہین،

سلطانِ نجد و ملک الحجاز ماہ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ مین سلطانِ نجد عبد العزیز بن عبد الرحمٰن الفیصل آل سعود
عمرہ کا احرام باندھکر آئے، چندروز مکہ مین رہ کر میدانِ جنگ جدہ کی طرف چلے گئے اور حج کے قریب
تک وہین سرگرمِ پیکار رہے، اس اثنا مین کئی بار عمرہ کے لیے مکہ آئے اور پھر واپس چلے گئے، جنگ
ابھی جاری ہی تھی کہ حج کا وقت آگیا اور ابتدائے ۱ر ذی الحجہ کو یہ مع تمام امرا، اور فوج کے مکہ آگئے،
صرف تھوڑی سی فوج دشمن کے مقابلہ کے لیے چھوڑ آئے تھے، ۸ر کو احرام باندھ کر حج کو گئے اور
تمام مناسکِ حج مطابقِ سنت ادا کئے، عرفات کا خطبہ ایک نجدی عالم نے پڑھا، امن و امان، پانی
وغیرہ کا انتظام بہت اچھا رہا، ہر سال شام کو روانگی کے وقت بے شمار بندوقین چلا کرتی تھین اور
ان سے نقصانات ہوتے تھے، وہ امسال بالکل موقوف رہین،

اس سال نجد سے بیشمار حاجی آئے تھے، جنکی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہ ہوگی، ان کے
علاوہ اور کوئی قوم نظر نہ آتی تھی کیونکہ صرف ہندوستان سے دو ہزار تین سو حاجی آئے تھے اور دیگر دیسے
چند سو، باقی اہلِ نجد و حجاز ہی تھے، ظہر کے بعد سے سب نجدی سانڈنیون پر سوار ہو کر جبلِ رحمت کے پاس
مغرب تک کھڑے رہے، اور بخشوع و خضوع مشغولِ دعا رہے، یہ منظر قابلِ دید تھا، نہ آدمیون کو

حرکت ہوتی تھی نہ جانور دن کو، ۱۰ر ذی الحجہ کو سلطان مذکور کی طرف سے کعبہ معظمہ پر غلاف ثانی سیاہ غلاف
چڑھایا گیا، اور اوس مین پرانے غلاف کی زرین پیٹی لگائی گئی، یہ غلاف شریف حسین نے بنوایا تھا،
مگر اس کے پہنانے کا فخر اس کے دشمنون کو حاصل ہوا، جس طرح ترکون کا ساختہ غلاف شریف حسین
نے اپنے نام سے چڑھا دیا تھا،

۱۳۴۴ھ مین سلطان مذکور نے دوسرا حج کیا، اس سال بھی نجدی بے شمار آئے، سلطان کے
والد امام عبد الرحمٰن بھی تشریف لائے جنکی خصوصیت یہ ہے کہ طواف تو دستی گاڑی مین بیٹھکر کیا، جسکو سلطان
اور ان کے بھائی دھکیل رہے تھے اور سعی موٹرمین کی، سلطان کے بڑے فرزند ولیعہدِ نجد (سعود) بھی آئے
اور بہت سی فوج ہمراہ لائے، یہ حج بھی بفضلہ تعالیٰ بہت امن سے ہوا[1]، سلطان مذکور کا بڑا کارنامہ
یہ ہے کہ حجاز کے تمام راستون مین فوق العادہ امن ہوگیا ہے، یہ بات صدیون سے مفقود تھی، وہی سرکش
بدوجن کے خوف سے حاجی لرزہ براندام رہتے تھے اب ان کو حاجی مارتے ہین اور وہ دم بخود ہو کر رہ جاتے
ہین، فسبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر،

سلطان موصوف، نہایت دیندار، علم دوست، خوش اخلاق، فیاض، مہمان نواز، سادگی پسند
عرب ہین، کئی دفعہ علما، و ملازمینِ حرمین کو انعامات عطا کئے، ترکی لنگرخانہ جو بند تھا اس کو جاری کیا،
مدینہ شریف سے نکل کر جو لوگ اثنائے جنگ مین سلطانی لشکر مین یا مکہ آئے ان کی مہمان نوازی کی،
مدینہ شریف مین جب داخل ہوئے تو وہان بہت سا غلہ تقسیم کرایا، جب ملک الحجاز بنائے گئے تو تمام
مدارس کا معائنہ کیا اور طلبا کی دعوت کی اور معقول چندہ دیا، رمضان ۱۳۴۵ھ مین دس ہزار مجیدیان
اہلِ شہر کو تقسیم کین، اور تمام رباطون مین فی نفر ایک اقہ کھجور تقسیم کی اور حرم شریف مین روزانہ افطار کے

[1] اگرچہ فتنہ پردازون نے تو کسر نہ رکھی تھی اور منیٰ مین مصریون اور نجدیون مین آویزش کرا دی تھی، مگر
ساء اللہ کید ہم فی نحورہم،

وقت کھجورین تقسیم کراتے رہے، دونون سال حج کے زمانہ مین حرم مین سبیل لگائی، ۱۳۴۳ھ مین نہر زبیدہ مین کئی سو پونڈ چندہ دیا، اور ۱۳۴۴ھ مین جب عظیم الشان سیلابون کیوجہ سے نہر خراب ہو گئی تو اسکی درستگی کے تمام مصارف بھی (جنکی مجموعی مقدار تیس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے) اپنی جیب سے ادا کئے،

۱۳۴۴ھ مین مؤتمر اسلامی کی شرکت کے لیے جو وفود عالم اسلام سے آئے سب کی نہایت عمدہ خاطرداری کیگئی، جب تک رہے، سب مہمان سلطانی رہے، عمدہ مکانات مین رکھا گیا جنکا کرایہ مکان کو پیشگی ادا کر دیا گیا تھا، یہ امر تاریخ مکہ مین ایک نئی بات ہے، ورنہ ہمیشہ پہلے کے حکام مکہ اپنے مہمانون کے لیے لوگون کے مکانات پر زبردستی قبضہ کر لیا کرتے تھے، اور ایک حبہ بھی نہ دیتے تھے، مؤتمر کے مکان کی آرائش وانتظام کا خرچ بھی سلطان ہی نے دیا، توحید وسنت کی اشاعت کا سلطان موصوف کو بہت خیال ہے، اور اپنی تمام محافل مین اسی بات کا خطبہ دیا کرتے ہین، کتاب مجموعۃ التوحید مکہ کے مطبع مین چھپوا کر مفت تقسیم کی، نیز مناسک حج وادعیۂ حج کے رسائل بھی فجزاہ اللہ خیراً،

سلطان موصوف سے بعض لوگون کو چند شکایات بھی ہین جو کچھ صحیح اور کچھ غلط ہین، پہلی قسم کے متعلق یہ امور قابل لحاظ ہین، (۱) سلطان معصوم نہین ہین، (۲) بعض علمائے نجد وعوام اہل نجد نہایت متشدد اور سخت مزاج واقع ہوئے ہین، سلطان موصوف اپنی سیاست سے حتی الامکان ان کو تشدد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہین اور اہل حجاز کی اصلاح بالتی ھی احسن کرنے کی ہدایت کرتے رہتے ہین، (۳) ان کے اکثر مشیر اور کارندے (خواہ حجازی ہون یا غیر حجازی) خود غرض اور نادان دوست ہین،

خاتمۂ مضمون بر ذکر حج امرائے مکہ .

امرائے مکہ ہر سال حج کیا کرتے تھے، لیکن اگر ان کے نام اس جگہ لکھے جائین تو مضمون طویل ہو جائیگا اسلئے ہم مجملاً اسی قدر لکھ دینا کافی سمجھتے ہین کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کا شرف جس قدر امرائے مکہ کو حاصل ہوا ہے وہ اور کسی ملک کے سلاطین کو نہین ہوا اور نہ ہو سکتا تھا، رحم اللہ الجمیع وتقبل منا ومنہم صالح الاعمال ووفقنا وایاکم وجمیع المسلمین لما یحبہ ویرضاہ آمین ——— وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

(مکہ مکرمہ) ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

جمودِ اسلام اور تصوفِ عجم

از

جناب اکرام الحق صاحب سلیم بی اے

آن نہالِ سربلند واستوار — مسلمِ صحرائیِ اُشتر سوار

آن چنان کاہید از بادِ عجم — ہمچو نے گردید از بادِ عجم

(اقبال)

"حقیقی تصوف جسکی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین کہ زبانِ شرع مین اسکا نام احسان ہے جیسا کہ صحیح حدیث مین آیا ہے، وہ تو درحقیقت مذہب کی روح، اخلاق کی جان، اور ایمان کا کمال ہے، مگر عام محاورہ مین تصوف اور خصوصاً عجمی تصوف ایک قسم کا فلسفہ ہے، جسکو عجم نے اسلام کی بربادی کے لیے اختراع کیا، اس مضمون مین اسی تصوف کی طرف اشارہ ہے، اس بارہ مین یورپ کے اہل تحقیق کے خیالات اور موشگافیان جمع کیگئی ہین"

(معارف)

تعجب کی بات ہے، کہ ایک ایسی قوم جس مین استمرارِ عمل کا ہر ممکن عنصر موجود ہو، ایک قلیل عرصہ مین غیر معمولی تیزی کے ساتھ چمکے اور پھر زوال پذیر ہو جائے، کیا یہ حیرت انگیز نہین کہ وہ عرب کے منتشر افراد جنکی تعلیم سراپا عمل اور جنکی زندگی سراپا جد وجہد ہو اور جو ایک زبردست شخصیت کے زیر اثر مجتمع ہو کر تمام دنیا پر بادل کی طرح چھا جائین اور اپنی تہذیب اور تمدن کی بارش سے بنی نوع انسان کو مالامال کر دین، تھوڑے عرصہ کے بعد ایسے سست رگ اور کاہل الوجود ہو جائین کہ بادِ تند کے ایک جھونکے کے بھی متحمل نہ ہو سکین،

اگر یہ کہا جائے، جیسا کہ دشمنانِ اسلام نے کہا ہے، کہ اسلام کی تعلیم ہی ایسی تھی اور یہ اس کا نتیجہ تھا تو یہ سراسر کذب اور افترا ہے، قرآن پاک، احادیث نبوی، اور آثار سلف کا مطالعہ اس کے ابطال کے لیے کافی ہے، اسلام دینِ فطرت ہے، اسکی تعلیم خالص الٰہی تعلیم ہے "، انسان کی تمام ضروریات کی کفیل اور ہر شعبۂ حیات مین اسکی ترقیون کی ضامن ہے" اور اس مین وہ مکارمِ اخلاق بتائے گئے ہین، جنسے انسان ہمہ وجوہ کامل ہو سکے، ہان تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسی تعلیم کے پیرو اس قدر جلد قعرِ انحطاط مین گر گئے،

حق یہ ہے جیسا کہ کونٹ گوبنیو (Count Gobinau) اپنی کتاب مذاہب ایشیاء وسطیٰ (Les religion de Asia central) مین لکھتے ہین کہ "یہ اسلام نہین، بلکہ تصوفِ عجم کا متفرع جمود ہے جو ممالکِ ایشیاء کے انحطاط کا باعث ہے "

تصوف اور بالخصوص عجمی تصوف کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے، کہ وہ انسان کو ان مشکلات سے گریز کرنا سکھاتی ہے، جو اس کو دنیا مین رہکر اور دنیاوی حقائق کے ساتھ ائتلاف پیدا کرکے مادہ کو تسخیر کرنے مین پیش آتی ہین اور اس بارِ فرائض سے سبکدوش کر دیتی ہے، جو اس پر بطور ایک انسان کے اپنے ابنائے جنس کی طرف سے عائد ہوتے ہین،

مولوی عبد الماجد صاحب بی اے نے اپنی کتاب تصوفِ اسلام مین اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے" اور تصوف اپنی پاکیزہ ترین صورت مین احکام الٰہی کی پیروی، شریعت کی پابندی اور سنت کے اتباع کا نام ہے، اس کے ثبوت مین انھون نے بہت سے اکابر صوفیہ کے اقوال رسالۂ قشیریہ، کشف المحجوب وغیرہ سے نقل کئے ہین، اس مین شک نہیں کہ تصوف اپنی اصلی اور خالص صورت مین تو ہر مذہب کی روح و رُوان ہے یا جیسے پروفیسر براؤن

اپنی کتاب ایرانیون مین ایک سال (A. year amozgot tho Persians) مین لکھتے مین "تصوف کے خیالات کا عنصر ہر مذہب اور ہر طریقہ مین موجود ہوتا ہے اور یہ خیالات تمام دلون مین جڑ پکڑتے مین کیونکہ تمام انسانون مین خواہ کسی اصول کے پیرو ہون، ایک روحانی جذبہ پایا جاتا ہے، جو خودی کی زبردست اہلیت سے الگ ہوکر فنا فی اللہ ہو جانے کا متمنی ہوتا ہے" تاہم ان اقوال مین جہان کہین اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے وہان ترک دنیا کو بھی انتہائی ضروری خیال کیا گیا ہے مثلاً مشتے نمونہ از خروارے شیخ جنید بغدادی اور شیخ عبد القادر جیلانی رح کے اقوال ذیل اس بات پر شاہد عادل ہین،

"جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسول کا عالم نہین اسکی تقلید دربارۂ طریقت درست نہین اس لیے ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن وحدیث ہین"

ہم نے تصوف کو قیل وقال کے ذریعہ سے حاصل نہین کیا، بلکہ گرسنگی ترکِ دنیا اور مرغوب اور خوشگوار اشیا کے ترک سے حاصل کیا ہے" (شیخ جنید بغدادی، رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۵، تصوفِ اسلام صفحہ ۱۴۲

"تصوف کی تحصیل گرسنگی اور دنیا کی خوشگوار و محبوب اشیا کے ترک سے ہوئی" (شیخ عبد القادر جیلانی رح فتوح الغیب، تصوفِ اسلام صفحہ ")

لفظ تصوف کی ماہیت اور اس کے پیدا ہونے کے اسباب

اس سے پہلے کہ عجمیت کے زہریلے تاثرات وغیرہ سے بحث کیجائے بہتر ہوگا اگر لفظ تصوف کی ماہیت اور ان خیالات کے پیدا ہونے کے اسباب پر بحث کرلیجائے،

لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ کے بارے مین مصنفین نے مختلف خیالات واقوال پیش کے ہین، اکثر صوفیہ کا خیال تھا (مثلاً ابو الحسن قناد تصوف اسلام صفحہ ۱۴۰) کہ لفظ صوفی "صفا" سے مشتق ہے، مولوی جامی نے بہارستان مین اسی اشتقاق کی تائید کی ہے، ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اہل صفہ ہی بعد مین صوفی کہلانے لگے مگر پروفیسر نولڈیک (Noldeke) نے لغت و سیر کی مختلف

کتابون سے نہایت وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ صوفی اصل مین صوف (پشمینہ) سے مشتق ہے، اور وہ لوگ جو دنیا دارون کے جاہ وجلال سے متنفر ہوکر سادگی اختیار کر لیتے تھے، چونکہ پشمینہ پوش ہوتے تھے، اسلیے صوفی کہلاتے تھے،

پروفیسر براؤن[1] مسعودی کے حوالہ سے لکھتے ہین کہ ابتدا ہی سے پشمینہ زہد وتقوی کی علامت خیال کیا جاتا تھا، علامہ ابو القاسم قشیری نے رسالۂ قشیریہ مین صاف طور پر لکھا ہے، کہ یہ اصطلاح سنہ ۲۰۰ھ سے کچھ پہلے رائج ہوئی، صاحب فہرست[2] کے علم مین پہلا صوفی مصنف یحیی باشندۂ رے ہے، جسکی وفات سنہ ۲۵۸ھ مین ہوئی، پروفیسر براؤن یہ تاریخین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہین، کہ تصوف کی ابتدا کی تاریخ اس لحاظ سے کم وبیش وثوق کے ساتھ دوسری صدی ہجری کے آخر مین یا تیسری صدی ہجری کے شروع مین مقرر کیجا سکتی ہے،[3]

تصوف کی ماہیت اور اوسکے پیدا ہونے کے اسباب کی نسبت مختلف نظریے قائم کئے گئے ہین، جنکا بیان اجمالاً ہی کافی ہوگا،

صوفیہ کا اپنا خیال ہے، کہ دنیا مین ہر شے کے دو پہلو ہین، ایک ظاہر اور ایک باطن، چنانچہ قرآن کریم کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، حدیث کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اسلام کی تعلیم کے اس باطنی پہلو کا نام طریقت ہے، ان کے نزدیک یہ رموز رسول کریم صلعم نے حضرت علی رض کو تلقین کئے اور ان سے ائمہ اور بعد مین مرشدان کامل کی وساطت سے خرقہ بہ خرقہ صوفیہ تک پہنچے، ضرورت مرشد پر بہت زور دیا جاتا ہے (تصوف اسلام بحوالہ شیخ ابو نصر سراج صفحہ ۱۹) کیونکہ اس طرح سے تصوف کی تعلیم کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے، جسکی ابتدا حضرت علی رض اور رسول اکرم صلعم سے ہوتی ہے، پروفیسر نکلسن

[1] تاریخ ادبیات ایران براؤن جلد اول صفحہ ۴۱۸، [2] کتاب اخبار مکہ کی روایت کے موجب یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر رائج تھا (تصوف اسلام صفحہ ۱)، [3] تاریخ ادبیات ایران، براؤن جلد اول صفحہ ۴۱۸،

تحقیق در تصوف اسلام (Studies in Islamic Mysticism) مین لکھتے ہین کہ تصوف کے استحکام کے لیے ایسے سلسلے کا قائم کرنا نہایت ضروری تھا، کیونکہ اس سے یہ بات مضبوط ہوجاتی ہے کہ صوفیہ ان اسرار ورموز کے جائز وارث ہین،"

چند احادیث[1] مثلاً کنت کنزاً مخفیاً الخ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ وغیرہ ایسی ہین جو تصوف آمیز معانی کی متحمل ہوسکتی ہین، قرآن پاک کی کئی آیات سے بھی ایسا مطلب نکلتا ہے، مثلاً فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم (الایہ) گو اس کے معنی بدیہی طور پر، جیسے پروفیسر اڈورڈ براؤن لکھتے ہین، "سوائے اس کے اور کچھ نہین کہ مسلمانون کو زوردار الفاظ مین اللہ تعالی کی امداد کا یقین دلایا گیا ہے، تاہم اس کو تصوف کا جامہ پہنانے مین زیادہ وقت نہین کرنی پڑتی، صوفی کہتا ہے، خدا فاعل مطلق ہے، اور رسول صرف آئینہ ہے جس مین خدا کی قدرت منعکس ہوتی ہے[2] اور بس،

۲- ڈوزی اور وان کریمر کا خیال ہے کہ تصوف کا ماخذ ویدانت کا فلسفہ ہے، مگر میرے خیال مین یہ درست نہین کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ ہندوستان کا ایران کے ساتھ از منۂ قدیم مین کوئی گہرا تعلق قائم رہا ہو، نوشیروان کے زمانہ مین اس مین شک نہین کسی حد تک تبادلۂ خیالات ہوا، مگر اس سے کوئی خاص اثر نہین پڑا، البیرونی ان اشخاص مین سے تھا جنھون نے سب سے پہلے سنسکرت پر عبور حاصل کیا، مگر یہ اس زمانہ مین ہوا، جب کہ عجمی تصوف کا نظام اپنی ترقی کے تمام مدارج طے کر چکا تھا، ہندوستان مین آکر تصوف پر ضرور ہندوستانی خیالات کا اثر ہوا، چنانچہ آجکل کے تصوف کے رسومات مین اسکی جھلک صاف طور پر دکھائی دیتی ہے،

پروفیسر مارکس اور مسٹر نکلسن[3] کے نزدیک تصوف پر یونانی فلسفہ کا اور خصوصاً پیروان اشراق

[1] پروفیسر براؤن ان کی صحت کے قائل نہین، تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۴۱۸، [2] تاریخ ادبیات ایران، صفحہ ۴۱۹، [3] منتخبات دیوان حافظ مسٹر نکلسن،

([illegible]) کے خیالات کا سب سے زبردست اثر پڑا اس مین شک نہین کہ جب تک مسلمانون کے سامنے زندہ قرآن موجود تھا انھین کسی قسم کے تجسس اور تفحص کی ضرورت نہین پڑتی تھی، مگر رسول مقبول صلعم کے بعد علماء کئی مطالب کی تشریح کے لیے یونان کے فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ (معارف) اور چونکہ انھین ارسطو کی مستند تصانیف دستیاب نہ ہوتی تھین، اسلیے ان تصانیف کے تراجم پر بھی اکتفا کرنا پڑا جو دراصل پلوٹینس اور پروقلس اور دیگر پیروانِ اشراق کی مساعی کا نتیجہ تھے، اس کا حاصل یہ تھا کہ فلاطون کے خیالات کا زہریلا اثر عجمی تصوف کے رگ و پے مین دوڑ گیا، اسکا ثبوت، دونون کے تخیلات کے باہمی تقابل سے بہم پہنچ سکتا ہے، مثلاً پیروانِ اشراق کے نزدیک خدا باعثِ تکوین روزگار ہونے کے سبب سے ہر جگہ موجود ہے اور ماسوای اشیاے عالم ہونے کی وجہ سے کہین بھی موجود نہین، اگر خدا ہر جگہ موجود ہوتا، اور ساتھ ہی یہ بھی نہ ہوتا کہ کہین نہ ہو تو وہ ہر شے مین ہوتا[1]، صوفی فقط یہی کہہ دیتا ہے "خدا تمام اشیا مین ہے"

اصل مین یہ نظریے عجمی تصوف کے کسی ایک شعبہ ہی کو لیتے ہین، تمام پہلوؤن پر حاوی نہین ہوتے، حق تو یہ ہے کہ عجمی تصوف کا ارتقا کسی ایک اثر کے نیچے نہین ہوا بلکہ جیسا علامہ سر اقبال کا خیال ہے اس کا حدوث اور تسلسل ان حالات کا ناگزیر نتیجہ تھا، جو اس وقت ایران مین پائے جاتے تھے[2]، ایرانیون کا رجحانِ طبیعت جبلی طور پر مابعد الطبیعیات کی طرف زیادہ ہے اور ان کے دلون مین خاص قسم کے افکار اور تخیلات جاگزین ہوتے ہین جو خاص حالات اور نہج کے زیر اثر عالمگیر صورت اختیار کر لیتے ہین تاہم ان کا تشابہ ظاہری اختلافات سے مکتوم نہین رہ سکتا[3]

سامی فطرت قدرتی طور پر سراپا عمل واقع ہوئی ہے، اس نسل کی قومون کی زندگی عمل کا ایک

[1] سر اقبال، مابعد الطبیعیات کی ترقی ایران مین، [2] ایضاً [3] پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران مین فقط اس قسم کی کئی مثالین پیش کی ہین، مگر یہان طوالت کے خوف سے قلم انداز کیجاتی ہین صفحہ ۹۸-۹۹،

مرقع ہوتی ہے جس مین سستی عنصر اور مسلک گوسفندی کا نام و نشان نہین پایا جاتا، آریائی فطرت علی الزعم سکون اور فقدانِ عمل پر مجبول ہے، اسلئے تمام ایسی چیزین جو طبیعت مین ہیجان اور جوش پیدا کرین ان قومون کے نزدیک قابلِ اجتناب ہین، مس بل مقدمۂ دیوان حافظ مین لکھتی ہین "عرب عملی تعلیم مانگتا ہے، عجمی اپنے استاد سے کہتا ہے، ہمین ایک خیالی محل بنا دو جسمین ہماری روح دنیائی حقیقتون سے الگ ہو کر خیالی پلاؤ پکایا کرے"

شاعری اقوام کے احساسات اور جذبات کا آئینہ ہوتی ہے، اسی آئینہ مین افرادِ قوم کے تخیلات متشکل ہوتے ہین اگر قرونِ وسطی کی شاعری کو بغور دیکھا جائے تو اس سے یہ اختلافِ طبائع اظہر من الشمس ہوجاتا ہے، اس زمانہ کی فارسی شاعری تصوف کے عنصر سے مملو اور سراسر اسی رنگ مین رنگی ہوئی ہے مگر اس کے برعکس عربی[1] شاعری تصوف کے عروج ہی سے لیکر یعنی متنبی اور معری کے عہد سے خلافت عباسیہ کے زوال کے بہت عرصہ بعد تک بھی ان خیالات سے معرا رہی، وجہ یہ ہے کہ عرب فطرتی طور پر تنظیم تجارب کا اہل نہین، وہ جزو بینی مین کل کو نظر انداز کر دیتا ہے، یون کہیے کہ وہ درختون کو دیکھتا ہے مگر جنگل کا ادراک نہین کر سکتا، پروفیسر نولڈیک "تاریخ مشرق" (Sketches from Eastern History) مین لکھتے ہین کہ "ہم اسکی ہر چیز مین توضیح کی باریکیون کو ملاحظہ کرتے ہین مگر اجمال اور تنسیق کا کہین نام نہین پاتے"

انھین فطرتی خصوصیات کا نتیجہ تھا، کہ اندلس کے عرب اسی فلسفۂ اشراق کے ذریعے ارسطو کے فلسفہ کی اصلی ماہیت کو پہنچے[2] - مگر اہل ایران کو افلاطون کے تخیلات ہی منعکس نظر آئے، یونس کا خیال ہے کہ عرب ارسطو کے فلسفہ کی طرف اسلئے متوجہ ہوئے، کہ فلاطون کے افکار ان کے سامنے اصلی حالت مین پیش ہی نہین کیے گئے، مگر حق یہ ہے کہ عربون کی فطرت سراپا عمل ہے، اگر فلاطون کے اوہام انکے سامنے پیش بھی کیے جاتے تو ان پر اثر نہ کرتے، یہ عجمی فطرت تو تھی، جس نے افلاطون کے خواب اور

[1] نکلسن "تحقیق در تصوف اسلام" [2] علامہ سر اقبال، مابعد الطبیعیات کی ترقی ایران مین،

فلسفہ کو لیکر اسلام میں اس طرح کھپایا کہ "ہمہ اوست" (Pantheism) کا نظام قائم کردیا،

یہ کہا جاتا ہے کہ کئی سربرآوردہ صوفی، مثلاً محی الدین بن العربی، ابن الفرید وغیرہ ایسے تھے جو خالص عربی النسل تھے اور جن میں سراسر عربی خون موجزن تھا، مگر مستثنیات کلیہ ہی کا اثبات کرتی ہیں،

خاص حالات اب دیکھیے کہ وہ کیا حالات تھے، جنکے زیر اثر عجم کے ان مخصوص خیالات نے دوبارہ عود کیا، اور یوں منضبط ہوئے کہ اسلام کا جز بنکر اسکی ترقی میں سدراہ ہوگئے،

۱۔ اگر اس قرن کے تاریخی واقعات پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ وہ زمانہ نہایت پرآشوب تھا، ایک طرف تو خلافت کے تغیر و تبدل نے ابو مسلم کی تلواروں اور مامون اور امین کی خانہ جنگیوں نے یکے بعد دیگرے مسلسل ہنگامہ برپا کئے رکھا، اور دوسری طرف مذہبی معرکہ آرائیوں اور علمائے وقت کے مباحث نے کچھ کم تلاطم نہ پیدا کیا، مذہبی مناظروں کو علی الخصوص مامون کے وقت میں بہت فروغ حاصل ہوا، اور خصوصاً اہل اعتزال اور پیروان علامۂ اشعری کے درمیان بہت زور شور رہا، اس کا اثر نہ صرف یہ ہوا کہ اسلام فرق کے دوائر میں محدود ہوگیا، بلکہ لوگوں میں بحث و تمحیص سے بالاتر رہنے کا ایک احساس پیدا ہوگیا،

معتزلہ کے تشکیک آمیز (Scepticism) خیالات، دولت اور ثروت کی فراوانی سے روحانی اور اخلاقی جذبات میں پستی پیدا ہوگئی، اور ابتدائی ذوق نشو ونما اور حرارت قلبی، مسلک گوسفندی اور سکون سے متبدل ہوگئے،

کیا عجب ہے، کہ ان حالات کی موجودگی میں ہنگامہ گیر و دار سے بچنے کے لیے متورع نفوس نے کنج عزلت کو ہی بہتر سمجھا، اور دنیاوی زندگی کے مد و جزر سے آزاد ہوکر امعان اور تفکر کی زندگانی بسر کرنے کو پسند کیا، اب دیکھیے کہ یہ تھے وہ حالات جنکے زیر اثر مخصوص عجمی تخیلات تصوف کا جامہ پہنکر اسلام کے اندر داخل ہوگئے،

عجمی ہانکے جبلی جمود کے سامنے اس وقت سب سے زیادہ مؤثر نمونہ نصرانی تارکان دنیا کی طریقۂ زندگی تھا اور اسی کو انھوں نے سب سے پہلے رغبت سے اختیار کیا، پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں کہ:۔

"انسان کامل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف پر نصرانی خیالات کا بہت بڑا اثر پڑا، اس کے نبوت میں ذات ربانی کو تثلیث کی بنا پر قائم کرنا اور روح القدس کو منبع تخلیق اور حیات روحانی کے استحکام کا باعث سمجھنا ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔ . . . . الجلی، انسان کامل صفحہ ۱۰ (قاہرہ ایڈیشن میں لکھتا ہے:

"نصرانی یہ خیال کرتا ہے، کہ باپ الروح ہے اور ماں مریم اور بیٹا عیسیٰ۔ . . . . . . مگر یہ نہیں سمجھتا کہ باپ علامت ہے اسم اللہ کی اور ماں ام الکتاب یعنی اصل ذات کی اور بیٹا کتاب کے مراتب وجود کی

جبلی وحدۃ الوجود (Pantheism) کا قائل ہے، پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں:

کہ "جلی نصرانی عقائد کی اس نرمی کے ساتھ تنقید کرتا ہے، کہ مسلمان ترتیب دہندہ نے تو ایک حصہ کو الحاقی بتایا ہے جو اس کے نزدیک کسی مرتد کی تصنیف ہوسکتا ہے"

اس کا ثبوت کہ صوفیہ نے اپنی عملی زندگی میں نصرانی راہب کی تقلید کی، پرانی کتب سوانح میں ملتا ہے جہاں پر عیسائی راہب رہنما کی حیثیت میں ظاہر ہوتا ہے،

ہمہ اوست کے خیالات تو بعد میں پھیلے، یوں کہئے کہ وہ اس گوشہ گیری کا نتیجہ تھے،

تصوف کا فلسفہ اجمال کے طور پر اگر تصوف کے لٹریچر کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ صوفیہ نے حقیقت (Reality) کو تین نقطہ ہائے نظر سے دیکھا ہے، ایک گروہ نے تو حقیقت کی اصلیت کو قوت ارادی کے مترادف بتایا ہے، دوسرے طبقہ نے حقیقت کو حسن سے تعبیر کیا ہے اور تیسرا فرقہ اس طرف گیا ہے کہ حقیقت خیال، علم یا نور ہے، اہم ترین گروہ وہی ہے، جس نے "حقیقت" کو حسن سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اسی طبقہ کے خیالات نے بمرور زمانہ نشو و ارتقا پاکر "ہمہ اوست" کا نظام قائم کیا، حسین بن منصور حلاج اس طبقہ کا سرخیل تھا، انا الحق کے سات حروف میں اس نے عجمی تصوف کے فنا فی اللہ کے تخیل کو مکمل طور پر

ادا کر دیا، یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جہان صوفیہ متاخرین نے حلاج کی ہستی کو قابلِ احترام سمجھا ہے، وہان اسی کے ہمعصرون یا قریب قریب کے زمانہ کے جید اور متبحر اشخاص نے اسے کافر خبیث سے زیادہ وقعت نہ دی، پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۴۲۲ مین ان قدیم اور مستند کتابون کا حوالہ دیا ہے، جن سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے،

مثلاً صاحبِ فہرست[1] لکھتا ہے "یہ ایک روباہ صفت آدمی تھا جس کو شعبدہ بازی مین کمال حاصل تھا، اپنے آپ کو تصوف کا پیرو ظاہر کرتا تھا، اور اپنی گفتگو کو صوفیہ کے اقوال سے مزین کرتا تھا، اسے کچھ نہ کچھ کیمیا سے واقفیت ضرور تھی، مگر ویسے جاہل، سرکش، متمرد، اور جسارت پیشہ شخص تھا، سلطنت کو زیر و زبر کرنے کا خواہان، حکام کی طرف ہمیشہ گستاخانہ رویہ اختیار کرتا تھا، اپنے پیرودن کے سامنے خدائی کا دعوی کرتا اور حلول کی تعلیم دیتا تھا، بادشاہون کے سامنے اپنے آپ کو شیعہ جتلاتا، مگر عامۃ الناس کے سامنے صوفی بنا رہتا تھا"

عریب[2] لکھتا ہے "کہ وہ خداوند تعالی اور رسل کے متعلق نہایت نازیبا کلمات اور ناجائز تشبیہات زبان پر لانے کا عادی تھا، اپنے عقیدتمندون مین سے کسی کو کہتا "تم نوح ہو" دوسرے سے کہتا کہ "تم موسی ہو" تیسرے کو "تم محمد ہو" نعوذ باللہ، مین نے ان کی ارواح کو تمہارے اجسام مین حلول کرنے کا حکم دیا ہے"

ابو بکر الصولی جس نے الحلاج سے کئی مرتبہ ملاقات کی، لکھتا ہے، کہ "وہ جاہل شخص تھا، جو اپنے آپکو چالاک سمجھتا تھا، ایک بدمعاش جو پشمینہ (صوف) پوش رہتا اور اپنے زہد و ورع کی بہت نمائش کرتا تھا"

ابن مسکویہ لکھتا ہے "عوام مین اس کا بہت حد تک اثر تھا، کیونکہ لوگ اس کے خوارق کے قائل تھے اور اس کے حالِ ہمزاد ہونے پر یقین رکھتے تھے، وہ ربوبیت کا ادعا کرتا تھا، تین شخص اس کے

[1] براؤن، تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۴۲۰ بحوالہ فہرست صفحہ ۱۹۰، ۱۹۲، [2] " " ایضاً صفحہ ۴۳۰ بحوالہ تتمہ تاریخ طبری مصنفہ عریب مرتبہ ڈی گوبے صفحہ ۸۶ - ۱۰۰،

نبی تھے، ان مین سے ایک السمری بھی تھا، جب اس کے نبی حامد وزیر کے پاس گرفتار کرکے لائے گئے تو السمری کی ایک لڑکی نے ان کے تمام راز فاش کر دیے، حلاج کے اقوال اور افعال نہایت وضاحت سے بیان کئے، . . . . . . السمری، قنائی، حیدرا وغیرہ کے گھرون سے بہت سی کتابین حلاج کی تصنیف شدہ برآمد ہوئین، جو چینی کاغذ یا دیبا و اطلس پر آب زر سے لکھی ہوئی تھیں اور مراکش کے مشہور چمڑے سے ان کی جلد باندھی گئی تھی[1]

الذہبی لکھتا ہے "کہ وہ حلقۂ اسلام سے باہر تھا، صوفیہ اس مین شک نہین، اس کا حد سے زیادہ احترام کرتے ہین، حتی کہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے بھی اس کے اقوال کی تشریح سے اس کو صادق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور گو امام کی مساعی بذاتہ اچھی ہین مگر عام عربی الفاظ کے معانی کو خواہ مخواہ پیچیدہ کر دیا گیا ہے"، اسی شخص نے آگے چلکر بہت سے مستند اشخاص کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ الحلاج "کافر خبیث" تھا[2]، جب ایک ایسے شخص کو اسلام کے اندر پیر و مرشد مان لیا جاوے اور اس کے عقائد کے متعلق یہ کہا جائے کہ

حلاج بر سرِ دار این نکتہ خوش سراید
از شافعی مپرسید امثال این مسائل (حافظ)

تو آپ سمجھ سکتے ہین، کہ اس کا اسلام پر کیا اثر ہو سکتا ہے،

اس قسم کے خیالات زیادہ تر منصور الحلاج نے ہندوستان کے دوران سفر مین اخذ کئے اور بعد مین عام صوفیہ تک پہنچائے[3]، مثلاً ہندوؤن کے مسئلہ کنڈلینی کو لیکر صوفیہ یہ کہتے ہین، کہ انسان کے اندر مختلف اللون تنویر کے چھ بڑے مرکز ہین، اور صوفیہ کے ایک گروہ کے نزدیک معرفت نفس کا

[1] یہ امر قابل غور ہے کہ مانی کے پیرو بھی اس طرح اپنی کتابون کو مزین کرتے تھے، تاریخ ادب ایران، صفحہ ۱۶۵،

[2] براؤن، تاریخ ادب ایران جلد اول صفحہ ۴۳۶، [3] " " صفحہ ۴۳۰،

احسن طریقہ یہی ہو سکتا ہے، کہ ان مرکزون کو اس قسم کی حرکت دیجائے کہ نور بے رنگ کا ادراک ہوسکے اور اس حرکت کا اجرا رسالماتِ مدنی کی خاص حرکت سے ممکن ہو سکتا جو اسمار الٰہی کو خاص طرز پر تکرار کرنے سے حاصل ہوتی ہے[1]۔

تأثرات خواہ ظاہر طور پر عجمی عقائد بلندی تخیل اور پرواز تفکر اور رفعت تصور سے کتنے ہی متمیز کیون نہ نظر آئین مگر وہ جادۂ زندگی کے لیے دلیلِ راہ بنائے جانے کی صلاحیت نہین رکھتے، ان کی تعلیم کا ماحصل جمود اور سکون ہے جس کا پہلا اثر قوائے عمل مین اضمحلال پیدا کر دیتا ہے،

یہ امر بدیہی ہے کہ ذوق عمل کا فقدان تنزل کا پیش خیمہ ہے، اسلیے تمام ایسی چیزین جو جد وجہد زندگانی کی معدومیت کی ممد ہون، دراصل پیغامِ ممات ہین، بدقسمتی سے آریائی فطرت کا یہی خاصہ ہے، دنیاوی انقلابات، سلطنتون کے الٹ پھیر، بادشاہون کی قسمتون کا اتار چڑھاؤ، ایسی چیزین ہین جو ایک عجمی کے دل مین دنیا کی بے ثباتی کا نہ مٹنے والا نقشہ کھینچ دیتی ہین، اور اس کے خیالات مین نامرادی، یاس، اور حزن جیسی قاطعِ حیات چیزون کا عنصر بھر دیتی ہین،

علامہ اقبال اپنے ایک انگریزی مضمون "انا از روئے نظریۂ اضافیت[2]" مین لکھتے ہین:

"کیا انسان کے لیے یہ ممکن ہے، کہ وہ الٰہی سطح نظر تک پہنچ سکے اور اس عالم سے جو بطور غیر ذات یا "دیگر" کے مقابل ہے، اپنی آزادی کا فہم کر سکے . . . . صوفیہ کے نزدیک ایسے مافوق العقل مقام تک پہنچ جانا ممکن ہے، مگر ان کے خیال مین اس مقام کا حصول ان حالات سے گریز کرنے سے ہو سکتا ہے جو عقل کے بروئے کار لانے مین ممد ہون، صوفیہ کے طریقہ کی پیروی تاریخ عالم مین چند ایسے انسانون نے بھی کی ہے جو اپنے زمانہ مین سرآمدِ فضلاے روزگار تھے، شاید اس مین کچھ اصلیت ہو، مگر مین سمجھتا ہون کہ یہ طریقۂ زندگی کے چند اہم مسئلون اور شعبون کے لیے مضرت رسان ہے، کیونکہ

[1] اقبال مابعد الطبیعیات کی ترقی ایران مین، [2] خاص ترجمہ،

اس کا حدوث ان مشکلات سے گریز کرنے کی خواہش کا نتیجہ ہے جو مادہ کو عقل کے ذریعہ مغلوب کرنے مین پیش آتی ہین، ممکناتِ زندگانی کا علم دنیا کے مختلف النوع نقوش اور بوقلمون حقائق کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہو سکتا ہے، میرا یقین ہے کہ علم تجربہ (ایتلاف بہ شہود) تفکر اور تخیل کے لیے لازم ہے، قرآن مجید مین آیا ہے، "دنیا باطل نہین پیدا کیگئی" . . . . صوفی یہ بھول جاتا ہے کہ حقیقت ظاہریت مین مضمر ہے، اور اسکی تہ تک پہنچنے کا یہی افضل طریقہ ہے، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اشیار کے انحطاط اور تصوف کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی اور یہ ذہن نشین کرایا کہ انقلابات اور تغیرات سے آگاہی ذاتِ ربانی تک پہنچنے کا بہتر ذریعہ ہو سکتی ہے . . . . . .

عمل ہی ایک ایسی چیز ہے جسکی بدولت انا انسانی ذات ربانی کے ساتھ واصل ہو کر زمین و زمان کی قیود سے بالاتر ہو سکتا ہے، عمل تفکر کی بہترین ہیئت ہے،

جمود کی دوسری منزل وحدۃ الوجود (Pantheism) ہے مگر اسلام کی تعلیم سراپا عمل ہے وہ وحدۃ الوجود کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے، نتیجہ ظاہر ہے،

پروفیسر نکلسن تحقیق در تصوف اسلام مین ایک جگہ پر لکھتے ہین،

"ابو سعید ابو الخیر کے طرز پر کلام کرتے ہین، کبھی تو تصوف کی زبان مین اور کبھی عام مسلمانون کی طرح اس لیے وہی اصطلاحات ایک جگہ تو عام مذہبی معنون مین استعمال کیگئی ہین اور دوسری جگہ تصوف کے رنگ مین، خالص وحدۃ الوجود کے عقائد عام مذہبی مسائل کے ساتھ بیان کئے گئے ہین،

پروفیسر نکلسن بحوالۂ اسرار التوحید لکھتے ہین "ایک دفعہ ابو سعید بن ابو الخیر، شیخ ابو الحسن کے مقبرہ کی زیارت کو گئے، قوالون کو حکم دیا کہ وہ گائین اور خود سات مرتبہ طواف کیا، ساتھ ساتھ لوگون کو نصیحت کرتے تھے، کہ تم بھی ایسا کرو اور کعبہ حج کرنے نہ جاؤ"[1]

[1] اسرار التوحید صفحہ ۴۴۳ پر لکھا ہے:- شیخ ابو سعید بن ابو الخیر قدس سرہ سے ایک دفعہ حج

کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ کوئی بڑا کام نہین کہ تم ایک پتھر کے بنے ہوئے کوٹھے کو دیکھنے کیلئے ہزارون میل پیدل چلکر جاؤ، خدا کا حقیقی بندہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے اور بیت المعمور کئی دفعہ دن اور رات مین آکر اس کے سر کے اوپر طواف کرتا ہے،

شیخ ابو سعید ابو الخیر شفاعت پیر کے بارے مین فرماتے ہین: "وہ دریافت کریگا یہ کیا ہے؟ جواب ملیگا، یہ فلان پیر کا نور ہے، وہ کہیگا، مین اس دنیا مین ان سے محبت کیا کرتا تھا، ہوا یہ الفاظ پیر کے کانون تک پہنچا دیگی اور وہ خداوند تعالیٰ کے حضور مین اسکی شفاعت کرینگے"

یہ عقاید آپ سمجھ سکتے ہین، اسلام کی تصریحات سے کس درجہ مخالف ہین،

رسول اکرم صلعم نے یہ صاف طور پر ذہن نشین کرایا ہے، کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، مگر صوفیہ عجم کے نزدیک بقول مصنف دبستان ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ اعمال میرے ہین، اور ساتھ ہی اتنی صداقت کے ساتھ وہ انہین خدا کی طرف منسوب کر سکتا ہے اس طرح گناہ کی ذمہ داری کا بوجھ ہٹ جاتا ہے، اور صوفی فرعون کو موسے پر اور ابلیس کو خلیل اللہ پر ترجیح دینے لگ جاتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک گو وہ ذات ربانی کے برخلاف ور ہے تھے، مگر انہین دینی کم مائگی کا اچھی طرح سے احساس تھا، اور اپنی ان تکالیف کو جو ان پر عاید کیگئی، انہین اچھی طرح سمجھتے تھے[1]"

مثالون کے انبار لگانے کی ضرورت نہین، اجمالاً یہی کہہ دینا کافی ہے عجمی عقائد دو قسم کے آدمی پیدا کرتے ہین، محاسن کی طرف دیکھئے، تو ایک مرنجان مرنج درویش جسے نہ دنیا سے علاقہ ہوتا ہے اور نہ ابنائے جنس سے تعلق؛ نہ حوادث روزگار سے پریشانی لاحق ہوتی ہے اور نہ موافقت زمانہ سے جمعیت خاطر، غمی اور شادی کا اسے احساس نہین ہوتا، طعن و تشنیع، مدح و تحسین کی اسے

[1] مس بل مقدمۂ دیوان حافظ۔

پرواہ نہین ہوتی، وہ کارکنان قضا و قدر کے ہاتھ مین اپنے آپ کو کھلونا سمجھتا ہے، اور درحقیقت ہی ہوتا ہے

دوسری صورت مین اس کے برائی جانب نظر کیجئے، تو ایک عیار ریاکار، جو کام کرنے سے جی چراتا ہے اور دوسرون کی کمائی پر نظر رکھتا ہے، اور ان عقائد کی آڑ مین اپنا کام چلانا چاہتا ہے، عجمی تصوف کے نام لیواؤن مین اس قماش کے آدمی آجکل سینکڑون کی تعداد مین خانقاہون مین پھرتے ہین،

عجمی عقائد کے استحکام کا انحصار ان کے وسعت تخیل پر ہے، اسلام مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اور فلسفہ ویدانت تخ بستہ خیالات کا مجموعہ ہے، تصوف عجم نے بفحوائے، خیر الامور اوسطہا، ان دونون کو اپنے اندر جذب کرکے عشق کا بلند تخیل قائم کیا، اور جہان یہ کوشش کی کہ "نروان" کے، "نکارہ فنا" کے مسئلہ کے ماخذ نہین، وہان یہ سعی بھی کی کہ ان کو آیات اور احادیث کی تاویلات سے ثابت کیا جائے،

ایک ہی قسم کے تاثرات نے یورپ مین بھی یہی رد پیدا کی، مگر یونانی اوہام کے بادل نصرانیت کی تند باد کے سامنے نہ ٹھہر سکے، ایرانی پودے کی جڑ اس کے برعکس اس قدر سخت تھی کہ امام ابن تیمیہ کی تنقید کی باد تند اس پر اثر نہ کر سکی،

عجم بحریست ناپیدا کنارے — کہ در وے گوہر الماس رنگ است
ولیکن من نہ رانم کشتیٔ خویش — بدریائے کہ موجش بے نہنگ است

(اقبال)

———

ارتقائے ادب فارسی،
عہد اکبری مین،

(۴)

از مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی،

نثر

جس عہد سے ہم بحث کر رہے ہین اس پر بجا طور پر یہ الزام ہو کہ اس نے نظم کو دلچسپی اور اعتنا کے اعتبار سے نثر پر مقدم رکھا اور ممکن ہے کہ یہی الزام ان سطور کے راقم پر بھی عائد ہو لیکن امید ہے کہ یہ عقیدہ کہ راقم کے نزدیک مفید اور اہم ہونے کے بنا پر نثر کا درجہ نظم سے افضل ہے اس کے عمل کا کفارہ ہو جائے،

تاتاریون کے قیامت زا حملون سے پہلے فارسی نثر عموماً سیدھی سادی ہوتی تھی، اور بقول ای، جی براؤن ابتدائی کتب نثر اس قدر سادہ اور مختصر ہوتی تھین کہ اس سے بڑھکر تصور نہین کر سکتے، بیرونی اثرات نے فارسی نثر کو نقصان پہنچایا اور کثرت مرادفات، مبالغہ، خوشامد نے داخل ہو کر نثر کو کلیۃً مسخ کر دیا، یہی حالت تیموریون کے زمانہ تک جاری رہی،

غزنویون کی تاریخی تصانیف کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ مختصر، صاف، بے لاگ، اور سلسلہ اسناد پر مشتمل ہوتی تھین یہی کیفیت کم و بیش فارسی نثر کی ابتدائی کتب مین پائی جاتی ہے، اس کے برخلاف منگولی اور تیموری تصنیفات مبالغہ کی وجہ سے ناقابل اعتبار اور الفاظ کی بھرمار سے طویل ہونے لگین،

مگر سولہوین صدی عیسوی مین ردعمل کا آغاز ہوا اور بعض دور رس دماغون نے قدیم طرز کی نحوست محسوس کی، صفوی دور علم و فضل کی ترقی کا دور تھا، اور خالص مذہبی مطالعہ اور ٹھوس علمی تصنیفات کا بازار

ہر طرف گرم تھا، چونکہ ان تصانیف کی حیثیت ادبی ہونے کے بجائے بیشتر مذہبی تھی اسلیے ہم انکی بابت زیادہ تفصیل بے سود سمجھتے ہین، مغلیہ عہد مین ضرور متعدد تصانیف شائع ہوئین جنین سے بڑی تعداد اکبر یا اسکے امرا کی فرمائش کا نتیجہ تھی، یہ تصانیف تراجم، تواریخ، مکاتبات، دینیات اور تصنیفات علمی پر مشتمل تھین اور تاریخ، سیرۃ، افسانہ، ریاضی، طبیعیات، نجوم، فلسفہ، طب، جغرافیہ، معانی و بیان وغیرہ پر لکھی گئی تھین، ترجمہ کی ہمہ گیری کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سنسکرت، ہندی، عربی، ترکی، یونانی تک سے علمی جواہر فارسی مین منتقل کر لیے گئے، مگر واقعہ یہ ہے کہ تراجم یا خالص علمی تصانیف مین ادبی چاشنی نہ قدرۃً ہو سکتی ہے نہ اس کی امید کیجاتی ہے، لہذا ان سے قطع نظر کر کے ہم ادبی کتب نثر کے متعلق کچھ عرض کرین گے،

دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان مین فارسی نثر کی سب سے پہلی قابل توجہ تصنیف طبقات ناصری ہے، اگرچہ اس سے پچاس سال پہلے تاریخ تاج المآثر لکھی گئی تھی، مگر وہ ناقابل اعتبار اور گمنام ہے، طبقات ناصری سنہ ۱۲۵۲ء مین قاضی منہاج سراج گرگانی نے لکھی اور ناصر الدین محمود شاہ دہلی کے نام معنون کی، یہ کتاب واقعات کی صحت اور انداز کی دلکشی مین ممتاز ہے، طبقات ناصری سے کچھ پیشتر فارسی کا بہترین اور قدیم ترین تذکرہ لباب الالباب لکھا گیا جس کو عوفی یزدی نے سنہ ۱۲۲۱ء مین ناصر الدین قباچہ کے وزیر کے حضور مین پیش کیا، تذکرہ کی زبان صاف اور انداز دلآویز ہے، ان کے بعد امیر خسرو کے کارنامون کا نمبر ہے، مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا باکمال اور ایک سطر بھی سیدھی نہین لکھ سکتا، اعجاز خسروی اور خزائن الفتوح بے معنی صنعتون، بیہم مرادفات، اور بیہودہ مبالغون سے مملو ہین، کچھ زمانہ کا رنگ کچھ زور قلم دکھانے کی امنگ، غرض سطرون کی سطرین پڑھ جاؤ مگر مطلب خاک نہین،

اکبری دور کے نثارون پر منگولی اور تیموری رنگ اس قدر گہرا چڑھا تھا کہ مبالغہ اور طوالت انکا شعار ہو گیا، اکبرنامہ، انشائے ابو الفضل، نجات الرشید کو پڑھنے سے ہمارے دعوی کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے، اسی زمانہ مین دکن مین ظہوری کا طوطی بول رہا تھا مگر اس کی سہ نثر کا یہ عالم ہے کہ ایک سطر

مین دس لفظ ہین تو دس ہی رعایتین، اکبر کے حکم سے یا اس کے عہد مین جو کتابین لکھی جاتی تھین بد قسمتی سے بیشتر اسی انداز کی ہوتی تھین، لیکن سولھوین صدی عیسوی کے آخر مین بعض دوربین اصحاب نے اس غلطی کو محسوس کیا، اور پرانی معنویت کو چھوڑ کر نئی راہ نکالی، اس طریقہ سے ایک حد تک طرز قدیم کی اصلاح ہوگئی شیخ ابوالفضل نے آئین اکبری اور ملا عبد القادر البدایونی نے منتخب التواریخ تصنیف کی اور دوسرون کے لیے نیا میدان پیدا کیا، افسوس کا مقام ہے کہ اس اصلاح نے زیادہ عمر نہ پائی اور بعد کے مصنفین نے اوس سے فائدہ اٹھانا نہ چاہا،

اوپر ذکر کی ہوئی دونون کتابین اس امر مین ضرور متحد ہین کہ وہ طرز قدیم سے بغاوت کا نتیجہ ہین مگر حیرت ہے کہ دونون کا طرز تحریر آپس مین مختلف ہی، تاہم چند باتین جو دونون مین مشترک ہین حسب ذیل ہین،

ا۔ نئے طرز مین پیچیدہ انداز بیان کے بدلے سادہ اور صاف انداز برتا گیا ہے،

ب۔ رنگین اور لفاظانہ طرز تحریر ترک کر دیا گیا ہے،

ج صنائع کا استعمال بہت کم ہے،

د۔ اصل واقعات کو متانت اور سلاست کیساتھ بیان کرنے پر توجہ کیجاتی ہے،

ہ۔ اختصار و ایجاز کو ترجیح دیگئی ہے،

و۔ واقعات کی تحلیل و تجزیہ کی کوشش کیگئی ہے،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذیل کی سطور مین ان دونون کے متعلق علحدہ علحدہ مختصر بحث کرین،

آئین اکبری ابوالفضل | ابوالفضل کی عام تصانیف کا وہی انداز ہے جو اس زمانہ کی دوسری کتابون کا تھا شلاً اوسکی انشا کو لو، مکاتبات ہون (ہر سہ دفتر) یا رقعات، لفاظی اور مبالغہ ہر ہر قدم پر نظر آتا ہے، انداز بیان پرشکوہ اور پرزور ضرور ہے، لیکن کثرت مرادفات سے جی اکتا جاتا ہے، رقعات[1] کا اسٹائل مکاتبات سے بھی

[1] ان رقعات مین لفاظی و عبارت کثرت سے ہے و ... [illegible] ... اور ... [illegible] ... کا انداز ... [illegible] ... ہین [illegible]

کم درجہ کا ہے، خیالات کی قلت اور فقرات کی کثرت، مثلاً اتنا سا جملہ کہ آپ کا عنایت نامہ ملکر باعث مسرت ہوا، پھیلا کر پوری سطرین سیاہ کی ہین، فرماتے ہین:

منشور نامی گرامی کہ حرفے از آن قرۃ العین بو واز ہمانی و آمال و ہر سطرے دران مجموعہ فضل و کمال و طغرائے آن دیباچہ جاہ و جلال و نشان مہر آن شمسہ سعادت و اقبال جلی بہرے بود کہ مہر انور را از و اقتباس نور جلال حاصل است و بدر طبند قدر را پرتو جمال از و واصل .... الی آخر الہفوات،

اس کی دوسری مشہور تصنیف عیار دانش ہے، یہ سنسکرت کے قصہ کلیلہ و دمنہ سے ماخوذ ہے، جس کا ترجمہ سب سے پہلے پہلوی زبان مین نوشیروان کے حکم سے ہوا تھا، پھر منصور کے ایما سے ابو الحسن بن مقفع نے عربی مین ترجمہ کیا، اور نصر بن احمد کے عہد مین اسے فارسی متعارف مین منتقل کیا گیا، بعدہ نصر اللہ ابو المعالی نے آسان کرنے کی غرض سے براہ راست عربی سے فارسی کیا، اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد ملا حسین واعظ نے انوار سہیلی کے نام سے دوسرا جامہ پہنایا، انوار سہیلی کو اکبر کی فرمایش سے ابو الفضل نے سلیس عبارت مین منتقل کیا اور عیار دانش سے موسوم کیا، عیار دانش کا انداز نہایت صاف، سلیس اور عام فہم ہے، مضمون طویل ہو جائے گا ورنہ ہم نصر اللہ کی کتاب اور انوار سہیلی کے نمونہ دکھا کر ثابت کرتے کہ یہ عیار دانش کا اسٹائل کس قدر سادہ اور متین ہے، گو عیار دانش کا لٹریچر مین زیادہ بلند درجہ نہین، مگر کاش بعد والی نسلین اسکی تقلید کرتین تو فارسی کی قسمت کھل جاتی،

ابو الفضل کی تیسری مشہور تصنیف اکبر نامہ ہے جس کا ایک حصہ آئین اکبری ہے، اکبر نامہ عہد اکبری کی مفصل تاریخ ہے جس مین ہر شعبہ سلطنت اور ہر صیغہ ملک کی تفصیل درج ہے، اس سے زیادہ جامع اور صحیح کوئی تاریخ اکبر کے متعلق ہمین نہین ملتی، آئین اکبری کو چھوڑ کر باقی اکبر نامہ کا اسٹائل منگولی تصانیف (تاریخ وصاف وغیرہ) سے ملتا ہوا ہے، خیالات کا ہجوم، مترادفات کی کثرت، الفاظ کا شکوہ، انداز بیان کی روانی، جملہ ہائے معترضہ کی مداخلت، دلائل کا تسلسل، یہ اکبر نامہ کی خصوصیات ہین،

آخری جلدون مین بتدریج طرز مین اصلاح نظر آتی ہے یہان تک کہ آئین اکبری ایک بالکل نئی چیز معلوم ہوتی ہے،

آئین اکبری دراصل ابوالفضل کی شاہ کار تصنیف اور فارسی کی مایہ ناز کتاب ہے، سہ نثر ظہوری کے زمانہ مین ایسی کتاب کا پیدا ہونا پھر مکاتبات و رقعات کے مصنف کے قلم سے خارق عادت معلوم ہوتا ہے، لاریب کہ آئین اکبری کا طرز نہایت رفیع، پر شکوہ اور زبردست ہے اور آجتک کوئی اوسکی تقلید پر قادر نہین ہوا، خود ابوالفضل کا دعویٰ ہے کہ نثرے کم از نظم نوشتہ ام، اور بجا دعویٰ ہے، طغرا نے سچ کہا ہے کہ ابوالفضل نے اکبرنامہ کیا لکھا ہے، نظامی کے سکندرنامہ کو نثر کر دیا ہے، آئین کی خصوصیات حسب ذیل ہین:-

۱- وہ اکبر کے عہد اور اس کی حکومت کی انسائیکلوپیڈیا ہے،

۲- مختصر چنچے تلے جملے اور بدیع ترکیبین اور خالص فارسی الفاظ بکثرت ہین،

۳- کلام مین زور، روانی، صنائع اور لفاظی سے احتراز ہر قدم پر نمایان ہے،

۴- کتاب حکیمانہ استدلال کے باوجود سادہ اور دلکش ہے،

یہ صحیح ہے کہ اس کے طرز مین یکسانی نہین، جو مقتضائے حالات اور اختلاف زمان و ضرورت کا نتیجہ ہے اور اس مین بھی کلام نہین کہ عدم خلوص اور تملق اوس کی عادت ثانیہ ہو گئی ہے، لیکن ان سب امور کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان کے فارسی نثارون مین اس کا نظیر پیدا نہو سکا

منتخب التواریخ البدایونی اس عہد کا دوسرا زبردست نثار البدایونی ہے، اوس کی اکثر تصانیف اسی پرانے اسٹائل کی صدائے بازگشت ہین جو اس سے پہلے فضائے ادب مین گونج رہا تھا، ان تصانیف مین لفاظی اور صناعی کے بدنما نقش و نگار، دیکھنے والے کو بیک نظر محسوس ہو جاتے ہین، مثال کے طور پر چند سطور نجات الرشید سے نقل کرتا ہون،

روزے از روزہائے بہار و بہنگام شگفتن ازہار کہ دماغ از نسیم سحری چون گلبرگ تری و اندیشہ از افکار بیہودہ روزگار فرسودہ بری بود و نقاش ربیع صد ہزار نقش بدیع بر لوح نگاشتہ در منظر پاک جلوہ گری میکرد یکے از اصحاب رفعت و ارباب مکنت لایزال کاسمہ نظام الدین احمد کہ صورتش لطف مجسم و خمیر را رشتۂ اخلاص بادستحکم بود، طومارے داد،

اس تمام رام کہانی کا ماحصل یہ ہے کہ روزے از روزہائے بہار یکے از امرا نظام الدین احمد نامی کہ با مین مالطف و اخلاص بود طومارے داد،

البدایونی کی آخری کتاب منتخب التواریخ ضرور ادبی اور تاریخی دونون حیثیتون سے پایۂ رفیع رکھتی ہے ہمارے خیال مین اوسکی خصوصیات ذیل لائق اعتنا ہین:-

۱- مصنف نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے نقطۂ خیال کی ترجمانی کی ہے تاہم حق گوئی کو ہرگز ہاتھ سے نہین دیا ہے، جسکی تصدیق عیسائی پادریون کی تصنیف کردہ کتابون سے ہوتی ہے، "دیکھو ذکر انحراف مزاج اکبر بادشاہ از دین مبین"

۲- وہ اظہار حق مین لومۃ لائم کی پروا نہین کرتا، اور بڑے چھوٹے عالم و عامی کسیکی اچھائی یا برائی ظاہر کرنے مین باک نہین کرتا، وہ ایک بے لاگ مورخ کی شان سے اپنے زلات کو بھی بے تامل بیان کر دیتا ہے، مثلاً

"چون آدمی زاد کہ شیر خام خوردہ بہ حسب سرشت مرکب از غفلت جبلی کہ موجب ندامت، و ظلم و جہل اصلی کہ باعث جسارت و خسارت ست و بہ میراث از ابوالبشر بما رسیدہ دیدۂ عقل را پوشیدہ و ہوس را عشق نامیدہ" الی آخرہ،

۳- ملا نے فطرت انسانی کا عمیق مطالعہ کیا ہے، اوسکی تاریخ مین لڑائیون کی تفصیلات نہین مگر وہ اکبر اور اس کے درباریون کے کیرکٹر پر روشنی ڈالنے والے جزئیات جنسے دوسری تاریخین خاموش ہین

کمال خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے،

۴۔ اس کی ظرافت اور طنز تیر ونشتر سے کم نہین، وہ اس خوبی سے حریفون پر چوٹ کرتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہجاتے ہین،

۵۔ اس کا طرز سادہ، موجز اور دلآویز ہے، کہین کہین عربی جملون اور قرآنی آیتون کی تضمین انگشتری پر نگینہ کا حکم رکھتی ہے،

۶۔ اس کو تاریخون کا ایسا مادہ ہے کہ تعریف نہین ہوسکتی، مثلاً فولاد بیگ کی بہادری کی تاریخ "زہے خنجر فولاد" اکبر کے الحاد کی تاریخ "شریعت جدید" وغیرہ،

۷۔ جہان ملا دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کے انقلاب اور ابنائے زمان کی کجرائی کا ذکر کرتا ہے، کلام مین اس قدر درد اور سوز معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہین رہتا، ابو الفضل کے خوشامد آمیز بیان کے مقابلہ مین جو اکبر کی ہر ممکن حماقت کی بھی توجیہ کرنے سے نہین چوکتا، البدایونی کی تاریخ تنقید کا اعلیٰ معیار اور اخلاق کا زبردست پایہ قائم کرگئی ہے، اور جبتک تاریخ کے صفحات مین اکبر اعظم کا نام زندہ ہے، البدایونی کا کارنامہ بھی فراموش نہین ہوسکتا، تاریخی شان سے قطع نظر کرکے ادبی حیثیت سے بھی اسکی سلاست اور متانت اور کہین کہین مہذب ظرافت کو دیکھتے ہوئے اکبری دور مین اس کو اول نہین تو دوسرے درجہ پر رکھنا پڑے گا کیا خوب ہوتا اگر آنے والی نسلین لفاظی اور رنگینی کے بجائے اس طرز کو اپنے لیے شمع راہ بناتین،

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مطبوعہ معارف پریس، قیمت عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

عربون کی حکومت مین ڈپلومیسی

موجودہ طرز حکومت مین حکومتون کے خارجی تعلقات اور خارجی مشکلات پر حادی ہونے کی ادائیگی کا نام "ڈپلومیسی" رکھا گیا ہے اور اس لفظ کی اسی تعریف کے ساتھ الہلال مصر بابتہ ماہ نومبر سنہ ۲۶ء مین "اسلام مین ڈپلومیسی" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے، جس مین ان تعلقات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا ہے جو عربون نے اپنے دور حکومت مین دوسری حکومتون کے ساتھ قائم کئے تھے،

قدیم اسلامی حکومتون یعنی عہد نبوی خلافت راشدہ اور دولت امویہ مین دوسری حکومتون سے بہت کم تعلقات پیدا ہوئے، اور اسلئے دوسری سلطنتون سے مراسلت و سفارت کی بہت کم نوبت آئی، عہد نبوی مین دوسری حکومتون سے جو تعلقات پیدا ہوئے ان مین زیادہ سے زیادہ وہ دعوت نامے پیش کیے جاسکتے ہین جو آپ نے مشرقی روما کے شہنشاہ ہرقل، کسری شاہ فارس اور شاہ غسان نصرانی کے پاس ارسال فرمائے،

عہد نبوی کے بعد خلافت راشدہ مین صرف وہ واقعات بیان کئے جاسکتے ہین جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت مین مصر و شام اور فارس کی فتوحات کے سلسلہ مین صلح اور معاہدے کی گفتگو مین پیش آئے،

دولت امویہ کے متعلق بھی مضمون نگار نے یہی لکھا ہے کہ اس کو بھی اس قسم کے تعلقات پیدا کرنے کی نوبت نہین آئی، کیونکہ اس کے نوے سال کا دور حکومت مسلسل جنگ و جدال مین سے گذرا، لیکن درحقیقت یہ صحیح نہین، عبد الملک کے قیصر روم کیساتھ سفارتی تعلقات قائم تھے،

دولت عباسیہ کا زمانہ آیا تو استحکام سلطنت کے بعد جب ہارون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو اس نے شارلمان شاہ فرانس سے خارجی تعلقات پیدا کئے اور سفرا بھیجے جنکے پاس تحائف بھی تھے، فرانس سے ان تعلقات کے پیدا کرنے کا باعث دولت عباسیہ کی مدمقابل اندلس کی اموی حکومت تھی،، اور شارلمان کے لیے بھی اپنی مقابل سلطنت اندلس کی دولت امویہ کو نقصان پہنچانے اور اس کے حملون سے محفوظ رہنے کے لیے دولت عباسیہ سے تعلقات پیدا کرنا ناگزیر تھا، کیونکہ وہ یورپ مین اسلامی فوج کے سیلاب سے خوفزدہ ہورہا تھا، اگرچہ تاریخی حیثیت سے پایۂ ثبوت کو نہین پہنچا کہ دولت عباسیہ نے شارلمان کو اندلس کی اموی حکومت کے خلاف برانگیختہ کرنا چاہا تھا، لیکن شارلمان کے شاعر خاص رولان کی بعض نظمون سے پتہ چلتا ہے کہ دولت عباسیہ سے تعلقات کے مستحکم ہونے کے بعد شارلمان اندلس کی حکومت امویہ پر حملہ آور ہوا، اور رونسفال تک اسکی فوجین بڑھ آئین، پھر معاہدۂ صلح کے ذریعہ سے اس جنگ کا اختتام ہوا، لیکن ان دونون حکومتون کے سیاسی تعلقات کبھی خوشگوار نہین ہوسکے،

ہارون رشید کے بعد مامون و معتصم کا دور آیا جنکے تعلقات شہنشاہ دولت بیزنطیہ سے ناخوشگوار رہے، اور اسلیے شہنشاہ بیزنطیہ نے ۸۳۶ء مطابق ۲۲۵ھ مین عبدالرحمن بن الحکم کے پاس بیش قیمت تحائف کے ساتھ ایک وفد بھیجا اور ان کو اپنا حلیف بنانے کی درخواست کی،، اور اس کے ساتھ انھین مشرق کی آبائی حکومت پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی، جس کے جواب مین امیر اندلس نے یحیی بن غزال کو بیش بہا تحائف کے ساتھ سفیر بنا کر بھیجا جو مشہور شاعر ہونے کے علاوہ اندلس کے اعیانِ دولت مین تھا، یحیی نے حکومتِ اندلس اور دولت بیزنطی کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرائے،، اور دونون حکومتین ایک دوسرے کی حلیف بنگئین، لیکن حکومت بیزنطی نے دولت عباسیہ پر حملہ آور ہونے کی جو تحریک پیش کی اس مین وہ کامیاب نہ ہوسکی، کیونکہ عبدالرحمن الداخل نے قیام حکومت کیساتھ ہی اپنی یہ حکمت عملی متعین کرلی تھی کہ اندلس کی حکومت امویہ جزیرۂ اندلس کے باہر قدم نہ رکھیگی، اسلیے اس کے جانشینون نے اسکی

اس حکمت عملی سے سرمو تجاوز نہین کیا،، اسلیے عبدالرحمن بن الحکم شاہ بیزنطی کی دعوت و ترغیب سے متاثر نہین ہوا اگرچہ بعد مین امیر الناصر کو اندلس کے جغرافی و دیگر حالات نے اس حکمت عملی کے ترک کرنے پر مجبور کیا، کیونکہ وہ بری و بحری لحاظ سے یورپ کی عیسائی حکومتون کا دروازہ تھا،، اسلیے الناصر کو تجارتی و سیاسی حالات کی بناپر یورپ کی بڑی بڑی عیسائی حکومتون سے تعلقات پیدا کرنے پڑے،

چنانچہ صفر ۳۳۶ھ مطابق ۹۴۷ء مین قسطنطین سابع شہنشاہِ قسطنطنیہ نے بیش بہا تحائف کیساتھ ایک وفد الناصر کے پاس بھیجا جس کے ساتھ یونانی زبان مین شہنشاہ کا ایک مکتوب بھی تھا، الناصر نے کمال شیفتگی سے اس وفد کا شاندار استقبال کیا، اور ایک خاص دن متعین کرکے جشن منایا جسمین قاضی منذر بن سعید بلوطی الادیب جیسے خطبا، نے خطبے دیئے،

پھر اس وفد کی روانگی کے بعد الناصر نے ہشام بن ہذیل کو سفیر بناکر قسطنطنیہ بھیجا جو دو سال کے بعد واپس آیا، اور ان دونون حکومتون مین نہایت مستحکم تعلقات قائم ہوگئے،

پھر الناصر کی خدمت مین مختلف ممالک کے وفود آئے جنمین سے ایک وفد بطرس بن سلیمون شاہ بلغاریہ کا تھا صقالیہ کا شہنشاہ تھا، پھر دوسرا وفد شہنشاہ جرمن کا اور ایک تیسرا وفد شاہ فرانس کا تھا اسی طرح وفود آتے رہے اور الناصر نے اسی شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا اور ان وفود کے جواب مین اپنے وفود بھیجے، اس طریقہ سے تمام اجنبی حکومتون سے نہایت استوار تعلقات قائم ہوگئے

عربون کی ڈپلومیسی کا یہ منظر عام تھا،، اسی طرح یورپ کی موجودہ ڈپلومیسی کے مثل عربون کی حکومت مین خفیہ ڈپلومیسی کا بھی وسیع محکمہ قائم تھا، چنانچہ ان داخلی سری مخبرون کے علاوہ جو ممالک محروسہ کے تمام شہرون اور قصبون مین پھیلے ہوئے تھے، سری مخبرون کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا موجود تھا جو اجنبی حکومتون کے پایہ تخت اور دیگر شہرون مین پھیلا ہوا تھا، چنانچہ مہدی، رشید، مامون اور معتصم وغیرہ کے عہد مین بہت سے جاسوس قسطنطنیہ اور دوسرے شہرون مین خفیہ طریقے سے بھیجے

جاتے تھے، جو ان ممالک کی جزوی سے جزوی خبرین دار الخلافہ مین پہنچاتے تھے اور ان جاسوسون مین تجار کے علاوہ ہر طبقہ کے لوگ ہوتے تھے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ نہایت حسین و جمیل خواتین بھی ان خدمات کو انجام دیتی تھین۔ "ر"

ایک اور "نہر سویز" کا مسوّدہ

مسٹر ڈیسٹریوس بوبجر نے ۱۸۹۶ء مین جنرل گارڈن کے سوانح حیات شائع کئے تھے، جس سے یورپ کی بہت سی حکمت عملیون اور سیاسی کوششون پر بھی روشنی پڑتی ہے، کیونکہ مسٹر بوبجر جنرل گارڈن کے خاص دوستون مین تھے اور ان سے سیاسی معاملات پر اکثر خط و کتابت کرتے رہتے تھے، مسٹر بوبجر نے سوانح حیات کیساتھ ان خطوط کو بھی شائع کیا ہے جن سے بہت سے رازہائے سربستہ کا پردہ چاک ہوتا ہے، المقتطف مصر کے مدیر نے ابھی حال مین اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس مین سے ایک خاص خط کا خلاصہ شائع کیا ہے جس سے مصر کے معاملات اور شام و عرب مین برطانوی ارادون کا پتہ چلتا ہے۔

یہ خط جو اواخر ۱۸۸۳ء مین لکھا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ انگلستان اپنے مصارف سے ایک نہر حیفا سے بحیرۂ لوط تک اور پھر بحیرۂ لوط سے خلیج عقبہ تک نکالے، جو نہر سویز کے قائم مقام ہو، چنانچہ وہ اس کے متعلق لکھتے ہین:۔ مصر پر انگلستان کے اقتدار حاصل کرنے کے دو مقاصد ہین، ایک تو یہ کہ اس طریقہ سے مصر کا ۸ ملین پونڈ جو انگلستان پر قرض ہے وہ ادا ہو جائیگا، دوسرے نہر سویز پر کامل اقتدار قائم رہے گا، لیکن اس حکمت عملی سے برطانوی اور فرانسیسی تعلقات پر نہایت مضر اثرات پڑ رہے ہین اور صرف اسی مصر کی بنا پر ان دونون سلطنتون کے درمیان مشکلات کی ایک خلیج حائل ہو گئی ہے، جو برطانیہ کے مفاد کے سراسر خلاف ہے، اسلیے اس قضیہ کا طے کرنا ضروری ہے جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ سلطان ترکی سے ایک وسیع نہر کھودنے کا فرمان حاصل کیا جائے، جو

جو حیفا اور عقبہ کے نزدیک بحر روم اور بحر احمر کو ملا دے۔

اس کے بعد جنرل گارڈن نے نہر کے دوسرے فوائد گنائے ہین جنمین سے ایک یہ ہے کہ اس نہر کی وجہ سے اردن کے نشیبی حصہ کی سطح بلند ہو جائے گی جس سے وہان کی خراب آب و ہوا کی اصلاح ہو گی، دوسرے فلسطین کو بدوی حملون سے محفوظ رکھا جاسکیگا، تیسرے مصر پر برطانوی اقتدار سے جو مہلک اثرات پڑ چکے ہین ان کا انسداد ہو گا، اور چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اراضی موات و بنجر حملون قابل زراعت بنائی جاسکین گی اور اس سے فلسطین کی حیثیت بلجیم کے مثل ہو جائے گی۔

اس کے بعد جنرل گارڈن نے مصارف کا تخمینہ پیش کیا ہے۔

حیفا سے اردن تک نہر کی کھودائی	۲۰۰۰۰۰۰	پونڈ
زمینداروں کو معاوضہ	۱۰۰۰۰۰۰	"
بحیرۂ لوط سے خلیج عقبہ تک کی کھدائی	۶۰۰۰۰۰۰	"
حیفا کی بندرگاہ کی تعمیر	۱۰۰۰۰۰۰	"
بندرگاہ عقبہ کی تعمیر	۵۰۰۰۰۰	
میزان	۱۰۵۰۰۰۰۰	پونڈ

آخر مین لکھتے ہین کہ اگر یہان تک فرض کر لیا جائے کہ یہ مصارف بارہ یا پندرہ ملین تک پہنچ جائین گے تو بھی مصر و سوڈان کے مشکلات کی بہ نسبت حکومت برطانیہ کو ان مصارف کا برداشت کر لینا آسان تر ہو گا،

لیکن جنرل گارڈن کی یہ تجویز شاید کثرت مصارف کے باعث یا ان سرمایہ دارون کی مخالفت کی وجہ سے جو نہر سویز کے بہت سے حصون کے مالک ہین، قابل قبول نہین قرار پائی۔ "ر"

طحال کا سب سے اہم فریضہ

طحال انسان کے بدن مین معدہ کے نیچے بائین جانب ہوتا ہے، لیکن دوسرے اندرونی

اعضا کی طرح اس کا بھی شعور نہیں ہوتا، اور یہ نہایت عجیب بات ہے کہ طحال باوجودیکہ انسان کے بدن کا ایک نہایت اہم جزو ہے، لیکن اس کو بدن سے علٰحدہ کر دینے کے بعد بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے۔

اگرچہ طحال بدن کا ایک ایسا عضو ہے جو خون کے کروی شکل کے ان سپید قطرون کو پیدا کرتا ہے، جو امراض کے جراثیم کا استیصال کرتے ہین، اسلیے بظاہر اس کا علٰحدہ کرنا تولید امراض کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن انسان کے جسم مین اور بھی دوسری چیزین ہین جو امراض کے جراثیم کا استیصال کر دیتی ہین اور یہی وجہ ہے کہ اس کے علٰحدہ کر دینے سے اب تک کوئی قابلِ ذکر نقصان نہین سمجھا جاتا تھا،

مگر اب یورپ کے جدید علم طب مین پروفیسر بارکرفت نے طحال کے خاص کام کے متعلق ایک انکشاف کا اضافہ کیا ہے جسکی وجہ سے اس کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے،

ان کا انکشاف یہ ہے کہ طحال خون صالح کا مخزن ہے، جس مین اسکی ایک خاص مقدار ہمیشہ موجود رہتی ہے، اور بوقتِ ضرورت اس کا استعمال ہوتا ہے، پروفیسر موصوف اس نظریہ کی دلیل یہ بیان کرتے ہین کہ:- پتھر کا کوئلہ جلاتے ہی اس مین سے ایک خاص قسم کی گیس نکلتی ہے جس مین گلا گھونٹنے کی طاقت موجود رہتی ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ یہ گیس خون کے کروی شکل کے قطرون پر بہت جلد چھا جاتی ہے اور جیسے ہی یہ گیس ان قطرون پر حاوی ہوتی ہے ویسے ہی ان مین سے پھیپھڑون سے تنفس کے ذریعہ آکسیجن جذب کرنے کی قوت فنا ہو جاتی ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب کہ طحال کا وہ خون صالح جو اس مین محفوظ رہتا ہے، ان کروی شکل کے خون کے قطرون کا قائم مقام ہو کر تنفس کے عمل کو جاری کرتا ہے، ورنہ زندگی کا قیام ناممکن ہوگا،

ڈاکٹر موصوف نے اس کا تجربہ دو حیوانون پر کیا ہے جنمین سے ایک کے طحال کو نکالنے کے بعد ان دونون کے قریب پتھر کا کوئلہ جلا دیا گیا، جسکی اس گیس سے وہ جانور ہلاک ہو گیا جس کا طحال علٰحدہ کر دیا گیا تھا، اور دوسرے جانور پر کسی قسم کا کوئی اثر مترتب نہین ہوا،

اخبار علمیۃ

عربون کا علم کیمیا، مسٹر ہومرڈ کو عربون کے علم کیمیا سے خاص شغف ہو، چنانچہ انھون نے شیخ ابو القاسم عراقی کی ایک کتاب کو جو کچھ دن پیشتر دستیاب ہوئی تھی، انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہو اور اونکی بعض دوسری کتابون کے ترجمے بھی کر رہے ہین، مسٹر ہومرڈ نے شیخ ابو القاسم کی کتاب پر مقدمہ لکھتے ہوئے یہ دعوٰی بھی کیا ہے کہ عربون نے علم کیمیا کی تحصیل حکمائے اسکندریہ سے کی ہے جیسا کہ یورپ نے جابر بن حیان کی کتاب السموم سے علم کیمیا کا سبق سیکھا ہے،

مقتولین معرکۂ دردانیال، کپتان پولسٹن نے جو امریکہ کے بحری افسرون مین ہین، معرکۂ دردانیال پر ایک کتاب تالیف کی ہے جسمین سرکاری رودادون سے ثبوت بہم پہنچا کر بتایا ہے کہ اس جنگ مین چار لاکھ انگریزی فوج شریک ہوئی تھی جسمین سے ایک لاکھ بیس ہزار مقتول ہوئے، اور آٹھ لاکھ ترکی فوج مین سے ۲ لاکھ ۱۰ ہزار نے شہادت حاصل کی، لیکن فرانسیسی فوج کی تعداد ابھی تک معلوم نہ ہو سکی،

فن پرواز کی ترقی کیلئے گرانقدر عطیہ، مسٹر دانیال نے جو امریکہ مین تانبے کے بہت بڑے تاجر ہین، ۳۰۰۰۰۰ پونڈ فن پرواز کی ترقی کے لیے وقف کیے ہین، جنمین سے ۱۰ ہزار پونڈ لالنڈ سٹنفورڈ یونیورسٹی اور ۶۰ ہزار پونڈ کلیفورنیا کے ایک صنعتی انسٹیٹیوشن کو دیے ہین، تاکہ یہ دونون اس مقصد کے حصول مین سعی کر سکین،

مصنوعی دودھ، کہا جاتا ہے کہ ڈنمارک کے بعض ماہرین بعض نباتاتی اشیار سے مصنوعی دودھ تیار کرنے مین مصروف ہین جسمین گائے کے دودھ کے تمام خواص موجود ہونگے،

اتحاد لسانی، اسپرنٹو ایک جدید اور سہل ترین زبان ہے، اور اس مین یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس کے ذریعہ مختلف اقوام عالم کے درمیان اتحاد لسانی پیدا کیا جائے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر پیرس مین گذشتہ ماہ مئی مین ایک مجلس منعقد ہوئی تھی، جسمین مختلف ممالک ' ولایات متحدہ امریکہ، برطانیہ فرانس، پولینڈ، چین، جاپان، اور ٹرکی کے ۳۲ نمایندے شریک ہوئے تھے،

اس مجلس مین سب سے پہلے اس زبان مین علمی کتابون کے شائع کرنے کا مسئلہ زیر بحث آیا پھر حسب ذیل تجویزین منظور ہوئین،

۱۔ اس زبان کو تمام مدارس مین داخل کیا جائے لیکن سر دست اسکو اختیاری رکھا جائے،

۲۔ حکومت کی نشستون مین سرکاری زبان کی طرح کبھی اس زبان کو بھی استعمال کیا جائے، یہانتک کہ لوگ اس سے مانوس ہو جائین اور رفتہ رفتہ یہی سرکاری زبان تسلیم کرلیجائے،

۳۔ علمی اور صنعتی کتابون کے شائع کرنے والون کو اس زبان کے فوائد و محاسن سے آگاہ کیا جائے اور انہین توجہ دلائی جائے کہ بلند پایہ کتابین اس زبان مین شائع کرین،

۴۔ اہل علم اصحاب فن کو یہ زبان سکھائی جائے تاکہ یہ زبان مختلف اللسان اشخاص کی باہمی خط و کتابت مین استعمال کیجائے،

۵۔ ایک ایسی مجلس قائم کیجائے جو اس زبان مین علمی اصطلاحات کا لغت وضع کرے اور اسی طرح صنعتی انسٹی ٹیوشنون کو توجہ کیا جائے کہ وہ اس زبان مین اپنی صنعتی چیزون کے نام وضع کرین،

امریکہ مین سینما کی کثرت، ولایات متحدہ امریکہ مین سینما کی کمپنیون کی کثرت کا اندازہ ذیل کی جدول سے ہوگا،

راس المال	۱۵۰۰ ملین ڈالر
مناظر و عمارات کے اخراجات	۲۰۰ 〃 〃
داخلہ کے ٹکٹ کی قیمت	۷۰۰ 〃 〃
جدید مناظر کے حصول کے مصارف	۲۵۰ 〃 〃
اشتہارات کے مصارف	۲۵۰ 〃 〃
مستقل ملازمین کی تعداد	۵۰۰۰۰ 〃 〃
ایک ہفتہ کے تماشائیون کی اوسط تعداد	۱۳۰ ملین

عراق یونیورسٹی، شاہ عراق نے اپنی خاص توجہ سے ایک یونیورسٹی "جامعۃ ال البیت" کے نام سے قائم کی ہے، جس کے مقاصد کا اعلان ان الفاظ مین کیا گیا ہے، "اس کا صرف یہ مقصد نہین کہ عراق مین جدید طرز کے فقہا، واعظین اور خطبا، پیدا کئے جائین، بلکہ اس کا اصل مطمح نظر یہ ہے کہ ایسے روشنخیال تربیت یافتہ علما، پیدا ہون جنمین اسلام اور علوم و فنون کی اصل روح موجود ہو، اور جو مسلمانون کی معاشرتی اخلاقی اور اجتماعی اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہون، اور وہ مسلمانون کے دور حاضر کی تمام ضروریات کے کفیل ہوسکین،

اس یونیورسٹی کا ایک ماہوار آرگن، "الجامعہ" کے نام سے نکلا ہے، جس مین تاریخ، مذاہب، علم اجتماع اور فلسفۂ اسلامی وغیرہ پر یونیورسٹی کے اساتذہ کے مختلف لکچر شائع کئے جاتے ہین،

مطبوعاتِ جدیدہ

تسہیل البیان، حکیم نور محمد صاحب نے اپنے جد محترم مولوی جان محمد صاحب لاہوری مرحوم کی تسہیل البیان شائع کر کے ان عربی خوان طلبہ پر احسان کیا ہے جو قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنا چاہتے ہین، حوض مین قرآن مجید ہے، حاشیہ مین وہ نکات ہین جنکا فاضل مؤلف نے املا کیا تھا، بین السطور مین بھی کہین کہین وجوہِ اعراب، اور بعض ضروری تفسیری اشارات بھی ہین، اس صورتِ ترتیب نے اس کو اس قابل بنا دیا ہے کہ عربی خوان طلبہ اور وہ لوگ جو کچھ عربی جانتے ہین اپنی روزمرہ کی تلاوت کے لیے اسی کو ترجیح دین، جو لوگ پارہ پارہ الگ خریدنا چاہین ان کو فی جز ۱۲؍ اور جو لوگ تیسون پارے یکجا خریدنا چاہین ان کو فی جز ۱۰؍ قیمت دینی ہوگی، پتہ حکیم نور الدین صاحب کشمیری بازار لاہور،

لمعاتِ نور، جذباتِ فطرت، اور معارفِ ملت وغیرہ نامون سے جناب الیاس برنی نے اردو شعراء کے منتخب اور مفید کلام کے جو مجموعے شائع کئے تھے، ان کو ملک نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا،

حال مین جناب ماسٹر نور الدین صاحب نور سابق لکچرر فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور نے لمعاتِ نور کے نام سے اسی انداز پر ایک نیا مجموعہ شائع کیا ہے، کتاب نہایت شاندار ہے، بیچ بیچ مین مشہور شعرا کی عکسی تصویرین ہین اور ان کے ساتھ ان کے مختصر حالات و سوانح ہین، اشعار کے انتخاب کا معاملہ اختلافِ ذوق کی بنا پر مشکل ہے، تاہم انھون نے اس مشکل کو سر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح اردو شاعری کے ہر دور کے نمونے ایک جلد مین جمع کر دیئے ہین، برنی صاحب کے ضخیم مجموعے کے بعد یہ ایک جلد کا مجموعہ ہر طرح قابلِ قبول ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور جلد نہایت خوشنما ہے، قیمت فی جلد ے، پتہ:۔ حافظ قمر الدین اینڈ سنز تاجرانِ کتب موچی دروازہ، لاہور،

سبدِ گل، گذشتہ اشاعت مین مولانا سید اولاد حسین صاحب شاعر لکھنوی کا خصائص سید نا علی کے ترجمہ کے ذکر مین تعارف کیا جا چکا ہے، سبدِ گل انھین کی چند نظمون کا مجموعہ ہے جس مین غزلین نہین بلکہ مظاہر قدرت کی عکسی تصویرین ہین، شروع مین ظفرنامہ یعنی والیِ رام پور کے لیے قصیدہ نما دعا کے بعد ایک نظم بہ عنوان ہمارا وطن بھی ہے، جس مین مولانا نے ہندوستانیت پر فخر کیا ہے، ہندوستان کا ایک بڑا شاعر جسکی زبان مین سب سے زیادہ جادو ہے، وطن کی تعریف مین کہتا ہے، ع

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے،

اس جادو کا اثر صرف شعرا ہی مٹا سکتے ہین، مولانا نے کتنا بہتر مذہبی جواب دیا ہے،

شمیم آسمانی سے مہکتا ہے چمن میرا ... جو مہبط حضرت آدم کا ہو وہ ہو وطن میرا

اور ؎

ہمارے ملک مین احمد کا آیا خطبہ خوان پہلے

ہے نقشِ اوّلین ہندوستان نام محمد کا ... ہمارے گھر سے اٹھا ہو نشان نام محمد کا

کاش ان شعرون مین جتنی مذہبیت ہے اتنا ہی جادو بھی ہوتا، بہرحال سبدِ گل کی نظمین مجموعی حیثیت سے قابلِ قدر ہین، قیمت فی جلد عہ پتہ سید ابن الحسین، رام پور اسٹیٹ، بازار ملا ظریف،

المؤید، مسلمان بچے، جو ابتدائی مدرسون مین تعلیم پاتے ہین، ان کی معلومات عامہ بہت محدود ہوا کرتی ہین، بعض مکاتب چاہتے ہین کہ وہ اپنے یہان بچون کو درسی کتابون سے باہر کی عام باتین بھی بتائین مگر دشواری یہ ہے کہ اکثر مقامات پر ایسے اساتذہ نہین ملتے، جو اس کام کو انجام دیسکین، قدیم طرزِ تعلیم نے انکو ان باتون سے نامانوس رکھا ہے، خوشی کی بات ہے کہ حیدر آباد نے اسکی طرف بھی توجہ کی، چنانچہ جناب ابو ظفر مؤید الدین صاحب نے المؤید لکھکر بڑا کام انجام دیا، المؤید ۳۶۸، دینی اور ملکی سوال و جواب کا مجموعہ ہے، ۱۹۰ سوال و جواب مذہبی ہین، ملکی حالات کا تعلق زیادہ تر دکن سے ہے، جب تک برٹش انڈیا کے اہل قلم المؤید کا نقش ثانی تیار نہ کرلین اور صوبہ کے مکاتب بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، ذہین اساتذہ اس کو

دیکھکر خود بھی سوالات پیدا کرلین گے، قیمت فی جلد ۱۲ر، پتہ:- دکان میر سجاد علی بازار تلی میان حیدر آباد دکن، روبروے تاج ہوٹل،

یاد ایام، مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما نے احمد آباد گجرات مین ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر گجرات کی علمی تاریخ پر یاد ایام کے عنوان سے جو مضمون پڑھا تھا، وہ کتابی شکل مین مدت ہوئی چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کو اب دوبارہ، مرحوم کے قابل فخر فرزند ڈاکٹر سید عبد العلی ندوی، بی ایس سی نے مرحوم کی سوانحمری کے اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے، اس طرح اب اس رسالہ کا نقش ثانی، نقش اول سے بہتر ہو گیا ہے، قیمت عہ؍ منیجر شبلی بک ڈپو لکھنؤ.

تفسیر سورۂ کوثر، مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی کو علامہ ابن تیمیہ سے خاص شغف ہے، انھون نے اس سے پہلے ان کے متعدد رسالون کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اسی سلسلہ مین قرآن مجید کی اس مختصر ترین سورہ کی یہ مختصر تفسیر ہے، اصل تفسیر کے ترجمہ کے ساتھ مترجم نے اس پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے، مناسب تھا کہ اس مقدمہ مین ابن تیمیہ کے مرکزی تخیل سے آگے نہ بڑھا جاتا، قیمت ۴ر پتہ:- نمبر ۴۴-۳- شیرانوالا دروازہ لاہور،

فلسفۃ الحق، مصنفہ جناب محمد صدیق صاحب ایم، اے، اس کتاب کو فلسفۃ الحق کہنے کے بجائے فلسفہ لا الحق کہنا چاہئیے، کتاب ۱۱ ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب مین منکرین خدا کے دلائل کا رد کیا گیا ہے، پھر قائلین خدا کو دو گروہون مین تقسیم کیا ہے، دوسرے باب مین خدا کو دلیل سے ماننے والون کی تردید کی ہے، تیسرے باب مین وجدان یا نور قلب سے خدا کے ماننے والون کی تائید کی ہے، پھر اور ابواب مین ثابت کیا ہے کہ خدا لا معلوم نہین، خدا کا شعور کیا جا سکتا ہے اور وحدت وجود اور وحدت شہود کے مسائل کی توضیح کی ہے، اور معرفت الٰہی کے طریقے بتائے گئے ہین، لکھائی چھپائی معمولی ہے، کاغذ اوسط درجہ کا ہے، قیمت ؟ پتہ:- مطبع حمایت دکن کوچہ نانا میان زر یذنسی حیدر آباد دکن،

"ج"